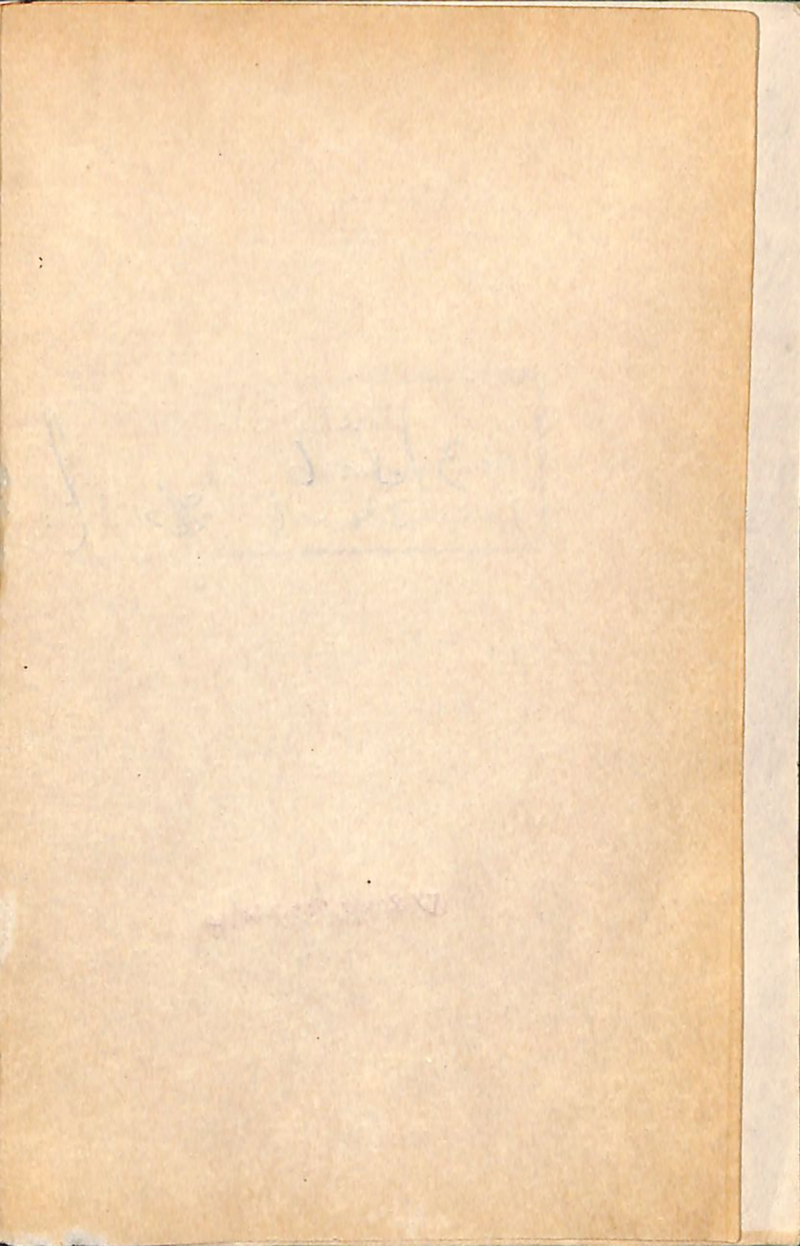


کالی گوری

جمنا داس اختر

ناشر
جنتا پبلشرز
۳۹/۱۶ کشن گنج۔ دہلی

طابع:
محبوب المطابع
اُردو بازار، دہلی

سول ڈسٹری بیوٹرز
سٹار پبلیکیشنز
۲۷۶۱۔ دریا گنج۔ دہلی

قیمت صرف ایک روپیہ

چیف ایجنٹس:
پنجابی پُستک بھنڈار
دریبہ کلاں۔ دہلی ۶

اس فرم میں ملازم ہوگئی تھی۔ دبلی پتلی سانولی سی یہ لڑکی دن بھر دکان پہ کام کرنے کے بعد ایک پرائیویٹ ادارے میں ٹائپ اور شارٹ ہینڈ کے کورس کے لئے مشق کرتی تھی۔ اُسے امید تھی، کہ کورس مکمل کرنے کے بعد وہ کسی سرکاری دفتر میں بہ آسانی نوکری حاصل کرسکے گی۔ اس کی بیوہ ماں چاہتی تھی، کہ اوشا کی شادی کردی جائے۔ ایک مرتبہ اوشا نے اس کے لئے "ہاں" بھی کردی تھی۔ لیکن تقریباً ایک سو روپے ماہوار پانے والے لڑکے نے اُسے دیکھ کر ناک سکیڑلی تھی۔ اُس نے کہہ دیا تھا کہ لڑکی کالی ہے۔ اوشا کے دل کو اس سے گہری چوٹ لگی۔ اور جب دو تین اور نوجوانوں نے بھی اس کے لئے ان ہی الفاظ کا استعمال کیا تو اس نے ماں سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اس وقت تک شادی نہیں کرے گی جب تک وہ اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں ہوجاتی اور اُسے اپنی پسند کا خاوند نہیں مل جاتا۔

آج رمیش کو دیکھ کر اُسے ایسا محسوس ہوا، گویا اس نے اس نوجوان کو کہیں دیکھا ہوا ہے۔ جب اس سے بات چیت ہوئی، تو اُسے ایسا لگا جیسے اس کی آواز جانی پہچانی تھی۔ ذہن کے گوشوں میں ٹٹولنے لگی۔ اُسے یاد آیا کہ رمیش تین سال پیشتر اس کے کالج میں پڑھتا تھا۔ وہ بی اے کا متعلم تھا اور اوشا فرسٹ ایر میں پڑھتی تھی۔ کالج کی سالانہ تقریب پر دونوں نے ایک ڈرامے میں کام کیا تھا۔ اس وقت بھی وہ بے انتہا جاذب نظر تھا۔ اس کی آواز میں مٹھاس تھی۔ ڈرامے میں اُسے انعام ملا تھا۔ اس کے بعد دو تین مرتبہ رمیش سے اس کی ملاقات بھی ہوئی تھی۔ کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی تھی لیکن نہ جانے کیوں اوشا اس کی جانب کھنچی جارہی تھی۔ وہ اس سے بڑے اخلاق سے پیش آتا۔ اور وہ بھی چاہتی کہ وہ رمیش سے باتیں کرے۔ لیکن وہ ایک دوسرے کے بہت قریب نہیں آئے تھے۔ رمیش بی اے فائنل میں تھا، پاس ہوگیا۔ اوشا اس سے یہ بھی نہ پوچھ سکی، کہ وہ شہر میں کس جگہ رہتا ہے۔ اس کے والد کیا کام کرتے ہیں، اور بی اے پاس کرنے کے بعد وہ کیا کرے گا۔

تقریباً تین سال کے بعد آج اوشا نے رمیش کو دیکھا تھا۔ اُسے پہچاننے میں بھی

جو قدرے شک تھا وہ اس کے وزیٹنگ کارڈ سے دور ہو گیا تھا۔ رمیش ہینڈی کرافٹس کی ایک فرم کا مالک تھا۔ اس کی دکان چاندنی چوک میں تھی۔ اس کا اپنا ٹیلی فون تھا، اور موٹر کار بھی۔ اوشا نے بار بار اُس کے وزیٹنگ کارڈ کو دیکھا، اس کے دماغ میں پرانی یادیں بحال ہونے لگیں۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ دوسرے کاؤنٹر پر گئی۔ اور سو روپے کا نوٹ اکاؤنٹنٹ کے حوالے کر دیا۔ رمیش کا بل ادا کر کے اور باقی پیسے لے کر وہ پھر اپنی جگہ پر آ گئی۔

دوسرے دن دوپہر کے وقفہ کے وقت دکان کے قریب ہی ریستوران میں اوشا تنہا بیٹھی چائے پی رہی تھی کہ یکایک اُس نے رمیش بابو کو اپنے سامنے کھڑے پایا۔ وہ چونک اُٹھی۔ رمیش بابو نے کھڑے کھڑے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔ "دکان سے معلوم ہوا تھا کہ آپ یہاں آئی ہیں، اس لئے میں بھی یہاں آ گیا۔

"آپ کو فضول تکلیف اُٹھانا پڑی۔" اوشا نے کرسی سے اُٹھ کر کہا۔ "آئیے بیٹھئے۔"

رمیش نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھ کر کہا۔ "اِس وقت مجھے ایک نہایت ضروری کام ہے۔" اور پھر جیب سے ایک ایک روپے کے نوٹوں کی گڈی نکال کر اوشا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہنے لگا۔ "آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس مناسب الفاظ نہیں۔ دکان سے معلوم ہوا کہ آپنے میرا بل ادا کر دیا ہے۔ اس لئے آپ کے روپے واپس کرنے اور آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے مجھے یہاں آنا پڑا۔"

اوشا کچھ کہنا چاہتی تھی۔ رمیش نے شاید آج بھی اُسے پہچانا نہیں تھا۔ اس لئے اُسے دکھ ہو رہا تھا۔ لیکن خواہش ہوتے ہوئے بھی اُسے اس بات کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ رمیش کو یاد دلائے کہ تین سال پیشتر جب وہ پہلی بار اس سے ملی تھی تو اسی وقت وہ اسے دل دے بیٹھی تھی۔ اور آج وہ چاہتی ہے کہ رمیش اس کے پاس بیٹھ کر اس سے بات چیت کرے۔

اوشا نے لرزتے ہاتھوں سے نوٹوں کی گڈی رمیش کے ہاتھوں سے لے لی۔

"براہِ مہربانی اِنھیں گن لیجئے۔" رمیش کہہ رہا تھا۔

نہ جانے کیوں اُوشا کے دل کو اس سے چوٹ لگی۔ لیکن وُہ خاموش رہی۔ نوٹ گِننے کی کوشش نہیں کی اس نے۔ رمیش نمستے کہہ کر چل دیا۔ اوشا آہستہ آہستہ کرسی پر بیٹھ گئی کچھ دیر تک خود فراموشی کی کیفیت طاری رہی۔ پیالی میں پڑی چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ لیکن اوشا کی اس طرف مطلق توجّہ نہیں تھی۔ یہی سوچتی رہی وہ، کہ رمیش بابو نے اُسے پہچاننے کی کوشش کیوں نہیں کی؟

اور پھر یکایک اُسے خیال آیا، کہ وُہ دُبلی پتلی کالی سی لڑکی ہی تو ہے۔ اُسے پہچاننے سے کسی کو کیا مطلب؟ کاتبِ تقدیر نے اس کی قسمت میں توہین کے علاوہ کچھ لکھا بھی تو نہیں۔

کچھ دیر خاموشی سے بیٹھی رہی۔ جب بیرہ بِل لے کر آیا تو وُہ چونکی۔ بِل ادا کر کے اُٹھی اور دکان کی جانب چل دی۔

دن گذرنے لگے۔ تین سال تک وُہ خود بھی تو رمیش بابو کو بھولی رہی تھی۔ اب پھر آہستہ آہستہ اُس کے ذہن سے اُن کی تصویر دُور ہونے لگی۔ رمیش بابو اس کے کچھ لگتے بھی تو نہیں تھے۔ کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے دنوں میں بھی تو کبھی رمیش بابو نے اس کے تئیں اظہارِ محبت نہیں کیا تھا۔ راہ میں چلتے ہوئے کسی شخص سے محبت تھوڑا ہی ہو جاتی ہے، وہ تو یکا یک ہی جذبات اور احساسات میں گُم ہو گئی تھی۔

کچھ اس طرح ہی سوچ سوچ کر اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی سنبھل بھی گئی تھی۔ لیکن ایک دن یکایک اُس نے چاندنی چوک میں گھومتے ہوئے رمیش بابو کو دیکھ لیا۔ وُہ اپنی کار سے نکل کر دوکان میں داخل ہو رہے تھے۔ اوشا نے انھیں دیکھ لیا لیکن انھوں نے اوشا کو نہیں دیکھا۔ اُوشا چند لمحے کھڑی رہی پھر آگے بڑھ گئی۔ لیکن نہ جانے کیوں

کچھ دور جا کر واپس لوٹ آئی۔ اس کے پاؤں خود بخود رمیش بابو کی دکان کی جانب اُٹھنے لگے.... چند لمحے بعد وہ اُن کی دکان پر تھی۔ رمیش بابو نے اُسے دیکھا نہیں تھا۔ وہ اپنے ایک ملازم سے باتیں کر رہے تھے۔ اوشا آگے نکل گئی۔ لکڑی کا سامان دیکھتے دیکھتے اس کی نگاہ ایک خوبصورت بک شیلف پر پڑی۔ اُسے اُٹھا کر اُلٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد اس نے سیلز مین سے کہا۔

"اِس کی قیمت؟"

"ساڑھے دس روپے"۔ جواب ملا۔

بل بنوا کر کاؤنٹر پر گئی۔ ایک اور فیشن ایبل لڑکی رمیش بابو کے سامنے بیٹھی ہوئی اپنی کار کے متعلق باتیں کر رہی تھی۔ شاید اس کی کار خراب ہو کر کسی سروس سٹیشن پر گئی ہوئی تھی اور رمیش بابو کہہ رہے تھے کہ وہ خط دے کر نوکر ساتھ بھیج دیتے ہیں کار مل جائے گی۔ لیکن وہ لڑکی اصرار کر رہی تھی کہ رمیش بابو اس کے ساتھ خود چلیں۔

یکایک رمیش بابو کی نگاہ اوشا کی جانب گئی۔ وہ بِل لئے ہوئے دس روپے کا نوٹ اُن کی طرف بڑھا رہی تھی۔

"آپ ـــ؟" رمیش بابو نے چونک کر کہا۔ "آپ کھڑی کیوں ہیں؟ کرسی پر بیٹھ جائیے!"

ایک ملازم پھُرتی سے کرسی کھینچ لایا۔ اوشا بیٹھ گئی۔ رمیش بابو نے بِل کو دیکھا، اور مسکرا کر کہنے لگے۔ "اِس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ یہ بک شیلف میری جانب سے آپ کی نذر کیا جاتا ہے۔"

اوشا جانے کیوں کانپ اُٹھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، کہ رمیش نے اس فیشن ایبل لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا: "میں بھی عجیب شخص ہوں۔ اس دن آنکھیں دیکھ کر سوچتا رہ گیا۔ کہ ان کی شکل جانی پہچانی ہے اور جب یاد آیا کہ یہ مس اوشا ہیں جو ہمارے کالج میں پڑھتی

تھیں تو میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ ان سے بات چیت کرتا۔"

فیشن ایبل لڑکی نے مڑ کر اوشا کی طرف دیکھا۔ شرم و حیا سے اوشا کے چہرے کا رنگ زردی مائل ہو گیا تھا۔ دوسری لڑکی نے اُسے دیکھا اور پھر مُنہ پھیر کر مسکرا دی۔

"چائے پیوگی یا کافی؟" رمیش نے اوشا سے پوچھا۔

اوشا کے دل میں گدگدی سی اُٹھی تھی، لیکن دوسری لڑکی اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دی تھی اس سے اوشا کے دل پر گہری ٹھیس لگی تھی۔ وہ مسکراہٹ حقارت آمیز تھی، اوشا کو ایسا محسوس ہُوا گویا فیشن ایبل لڑکی اس کے رنگ کو دیکھ کر حقارت سے مسکرائی ہو۔

رمیش بابو نے شاید ایسا محسوس نہیں کیا تھا۔ انھوں نے پھر کہا "آپ نے کچھ بتایا نہیں، چائے آئے یا کافی؟"

اوشا اُٹھ کھڑی ہوئی، کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھ کر کہنے لگی۔ "دیر ہو رہی ہے، اس وقت معاف کیجئے۔"

رمیش نے اُس سے رُک جانے کے لئے اصرار کیا۔ لیکن وُہ رکی نہیں۔ وہ اس طرح تیزی سے چلی گئی تھی کہ رمیش کو اس وقت معلوم ہی نہیں ہوا کہ وُہ دس روپے کا نوٹ اس کاؤنٹر پر چھوڑ گئی ہے۔

...　...　...

وہ لڑکی کون تھی؟

اوشا کچھ سمجھ نہیں سکی۔ رمیش بابو نے بھی کچھ نہ بتایا تھا۔ وہ سوچنے لگی، شاید ان کی بیوی ہو، یا رمیش سے اس کی سگائی ہوئی ہو۔ کسی امیر گھرانے کی لڑکی دکھائی دیتی تھی وُہ۔ سیاہ دراز گیسو، چوڑی پیشانی پر بڑی سی بندی۔ رنگدار قمیض اور سفید لٹھے کی شلوار پہنے ہوئے وہ ایک تتلی دکھائی دیتی تھی۔ محسوس ہوتا تھا کہ اُسے اپنے حُسن پر بڑا ناز تھا۔ آج کل ہر ایک حسین لڑکی خود پر ناز کرتی ہے، غرور کرتی ہے،

بس سٹاپ پر کھڑی ہو، شاپنگ کر رہی ہو، یا گھوم رہی ہو کسی کو خاطر میں لاتی ہی نہیں۔ ان لڑکیوں کی موجودگی میں اوشا ایسی لڑکیوں کو کون پوچھے؟ اوشا سوچتی ہی رہ گئی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ رمیش بابو سے ایک بار پھر ملے لیکن جب اُسے یہ خیال آیا کہ اس فیشن ایبل لڑکی سے پھر اُس کا ٹکراؤ ہو سکتا ہے تو وہ پریشان ہو کر رُک جاتی۔

اور وہ لڑکی ــــ!

کار ڈرائیو کرتے ہوئے خود ہی رمیش بابو کے پاس آئی تھی۔ اس سے پہلے وہ انھیں جانتی نہیں تھی۔ دونوں نے اس سے پہلے کبھی ایک دوسرے کو دیکھا نہیں تھا۔ انگلش پکچر دیکھنے کے بعد گھر لوٹتے وقت راستے میں اس کی کار خراب ہو گئی تھی۔ اُس نے رک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ رمیش بابو کی ہینڈی کرافٹس کی دکان سے کچھ فاصلہ پر اُن کا ایک گیرج تھا۔ اپنے مینیجر سے کچھ بات چیت کرنے کے بعد اپنی کار میں بیٹھنے لگے تھے کہ انھیں رتنا دکھائی دی، اُن کی طرف بڑھتی ہوئی ــــ کہنے لگی: "معاف کیجئے، یہ گیرج ہی ہے نا؟ ــــ میری کار کچھ خراب ہو گئی ہے"۔

رمیش بابو نے کہا: "جی ہاں، یہ گیرج ہی ہے۔ آئیے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے مینیجر کو آواز دی۔ اور پھر رتنا کو اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کر کے کچھ آگے بڑھے اور مینیجر سے کہا: "ان کی کار خراب ہو گئی ہے۔ اپنے آدمیوں کو بلا کر مرمّت کرا دیجئے۔"

مینیجر نے رتنا کو اپنے کمرے میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ لیکن وہ کھڑی رہی۔ اپنے بالوں کو سنوارنے لگی۔ ملازم کار کو دھکیل کر گیرج کے اندر لے آئے۔ اور اس کا معائنہ کرنے لگے۔

رمیش بابو نے رتنا کی طرف دیکھا، وہ اب بھی کھڑی تھی۔ مینیجر کی کرسی کے پیچھے ایک شیشہ لگا تھا۔ شاید اس میں وہ اپنے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ رمیش سے آنکھیں چار

ہوئیں تو کہنے لگی۔" دیکھئے ۔اپنے ملازموں سے کہہ دیجئے کہ میری کار فوراً ہی ٹھیک کر دیں۔ گھر پہنچ کر مجھے ایک پارٹی میں شریک ہونے کے لئے تیاری کرنا ہے "

رمیش اس کے قریب آگیا۔ وہ جانتا تھا کہ معمولی سی خرابی ہو تو بھی کار اتنی جلدی ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھا اور کہنے لگی۔" آپ کو کہاں جانا ہے؟"

" سندر نگر ۔" رتنا نے مسکرا کر کہا۔" وہاں ہماری کوٹھی ہے ۔"

رمیش گیرج کے اندر گیا۔ اور چند لمحے بعد باہر آکر بولا۔" معاف کیجئے۔ کار تو شام سے پہلے نہیں مل سکے گی۔ اگر آپ بُرا نہ مانیں ...."

"لیکن یہ تو بہت بُری بات ہے۔" رتنا نے جھنجلا کر کہا۔" نزدیک تو کوئی ٹیکسی بھی نہیں ملے گی۔ میرا پروگرام مس ہو جائے گا۔"

رمیش نے کہا۔" اسی لئے تو میں نے درخواست کی ہے کہ اگر آپ بُرا نہ مانیں، تو میں اپنی کار میں آپ کو گھر پہنچا آتا ہوں۔"

رتنا ہچکچائی، پھر کہنے لگی۔" یہ تو آپ کی مہربانی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اس کے بعد مجھے پارٹی میں جانا ہے وہاں سے پھر واپس آنا ہے۔ اتنی تکلیف تو میں آپ کو دینا نہیں چاہتی۔"

رمیش کچھ کہنے لگا تھا کہ وہ پھر بول اُٹھی۔" اچھا میں جاتی ہوں، آپ مہربانی کرکے کسی ملازم سے کہہ کر میرے لئے ٹیکسی منگوا دیں۔"

رمیش نے ایک ملازم کو آواز دی۔ وہ اُن کے حکم کے مطابق ٹیکسی لینے کے لئے چلا گیا۔ رمیش کے کہنے پر رتنا کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ ظاہری وضعداری اور اخلاق کو مدنظر رکھتے ہوئے رمیش نے چائے کا آرڈر دے دیا۔ رتنا انکار کرتی رہ گئی۔ لیکن ملازم اپنے مالک کا حکم پاکر چائے لانے کے لئے چلا ہی گیا۔

یہی تھی رتنا سے رمیش کی پہلی ملاقات! چائے آنے تک رمیش نے اس سے بہت سی باتیں پوچھ لی تھیں۔ رتنا رائے صاحب امرناتھ گپت کی اکلوتی بہن ہے۔ اس کے بھائی شہر کے ایک مشہور ٹھیکیدار ہیں۔ لاکھوں کے مالک ہیں۔ کچھ دنوں سے سیر و تفریح کے لئے بیوی کے ساتھ ولایت گئے ہوئے ہیں۔ اس کا ایک ہی لڑکا ہے جو امریکہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ رتنا ان دنوں اکیلی ہی رہتی ہے۔ وہ ایم اے پاس ہے۔ نوکری ملتی ہے لیکن اسے نوکری سے دلچسپی نہیں۔ شادی کی ابھی کوئی خواہش نہیں۔ کئی سماجک اور ثقافتی اداروں سے اس کا تعلق ہے۔ "فور آرٹس کلب" کی نائب صدر ہے۔ موسیقی ڈرامہ اور رقص سے اسے دلچسپی ہے۔ ابھی ابھی وہ جس پارٹی کا ذکر کر رہی تھی اس میں اپنے رقص کا مظاہرہ کرے گی۔ اسی لئے تو اسے یہاں سے فوراً ہی گھر جا کر تیاری کرنے کی فکر دامنگیر تھی۔

رمیش بابو کو خاموش دیکھ کر اس نے کہا۔ "کیا آپ کو فن سے لگاؤ تو نہیں ــــ؟ اتنے بڑے آدمی ہو کر آپ کو فن اور آرٹ کا سرپرست بنے بغیر نہیں رہنا چاہیئے۔"

وہ مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہی تھی۔ اتنے میں چائے آ گئی۔ دو تین گھونٹ بھی پئے نہیں تھے کہ پہلا ملازم یہ خبر لے کر آ گیا۔ کہ ٹیکسی والے آج ہڑتال پہ ہیں اس لئے ٹیکسی نہیں مل سکی۔

رتنا پریشان ہو گئی۔ اپنی رسٹ واچ دیکھ کر کہنے لگی۔ "غضب ہو گیا۔ اب تو میرا پروگرام مس ہو جائے گا۔ مجھے پارٹی کے منتظمان کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔"

رمیش نے چائے کی پیالی کو وہیں چھوڑا۔ اٹھ کر کہنے لگا۔ "آپ کو کسی کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا۔ تسلی سے کام لیجئے۔ میں آپ کو چھوڑ آؤں گا۔"

"اوہ! ــــ تھینکس!! ــــ آپ کا بہت بہت شکریہ!" کہہ کر رتنا نے ساڑھی کا پلو سنبھالا۔ اور رمیش بابو کی کار میں اُچک کر بیٹھ گئی۔

وہ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی اور رمیش بابو خود ڈرائیو کر رہے تھے۔ راستے میں جب کوئی موڑ آتا تو رتنا "رائٹ" یا "لیفٹ" کہہ کر انھیں راستہ بتا دیتی۔ دونوں میں کوئی خاص بات نہیں ہوتی تھی۔ رمیش بابو اپنے سامنے لگے ہوئے چھوٹے سے شیشے میں کبھی کبھی دیکھتے تو انھیں رتنا کی صورت دکھائی دے جاتی۔ کبھی وہ اپنے بالوں کو سنوارتی ہوئی دکھائی دیتی اور کبھی دونوں کی نگاہیں شیشے میں ایک دوسرے سے ٹکرا جاتیں اور دونوں جھینپ سے جاتے۔

مارکیٹ سے پہلے ہی سندر نگر کی بستی میں گاڑی بائیں طرف کی ایک چھوٹی سڑک میں داخل ہوئی۔ تھوڑی دور جا کر ایک گلی میں مڑی اور پھر رتنا نے مسرت سے اچھل کر کہا۔ رمیش بابو! یہی ہماری کوٹھی ہے۔ یہیں گاڑی کو روک لیجیے۔"

اور گاڑی رک گئی۔ رتنا مسکراتی ہوئی باہر نکلی۔ سر کو ایک جھٹکا دے کر بالوں کو ٹھیک کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "آیئے رمیش بابو۔"

رمیش قدرے ہچکچایا۔ پھر آہستہ سے کھڑکی کھول کر باہر نکل کر اس نے کہا۔ "میں یہیں ٹھہرتا ہوں آپ تیار ہو کر آجایئے!!"

رتنا کو یہ بات شاید پسند نہیں آئی تھی۔ کہنے لگی۔ "کب تک یہاں کھڑے کھڑے انتظار کیجیے گا۔ آیئے میرے ساتھ۔ میں فوراً ہی تیار ہو جاؤں گی۔"

رمیش اس کے پیچھے پیچھے بڑھا۔ کوٹھی کا دروازہ کھولا ہی تھا، کہ ایک بہت بڑا ایلسیشین کتّا بھونکتا ہوا شیر کی طرح اچھلا۔ رمیش بابو ڈر گئے۔ رتنا کھلکھلا کر ہنسی۔ کہنے لگی۔ "ڈرنے کی کوئی بات نہیں رمیش بابو۔ ٹائیگر بندھا ہوا ہے اور پھر میرے رہتے ہوئے آپ کو یہاں کسی سے ڈرنا نہیں چاہیے۔"

پیچھے مڑ کر مسکرائی۔ رمیش بھی ہنس دیا۔ ٹائیگر رتنا کو دیکھ کر اور بھی اچھلنے کودنے لگا۔ رتنا نے اس کی پیٹھ پر تھپکی دی۔ اور گردن سے اسے پکڑ کر رمیش بابو کو برآمدے

سے گذرجانے کے لئے کہا۔ رمیش بابو آگے نکل گئے تو وہ ان کے نزدیک آکر کہنے لگی۔
"واقعی ٹائیگر ہے کسی اجنبی کو اس کی موجودگی میں گھر میں داخل ہونے کی ہمت نہیں ہوسکتی"۔
ٹائیگر کی بھوں بھوں اور رتنا کی آواز سُن کر گھر کا نوکر کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔
رتنا نے اس سے کچھ نہیں کہا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہوگیا۔ رتنا اور رمیش دونوں
آگے بڑھ کر بائیں طرف مُڑ گئے۔ ایک کمرے کا دروازہ کھول کر رتنا نے کہا "آیئے"۔
وہ بیٹھک تھی۔ رتنا نے بجلی کا بٹن دبا دیا۔ صوفے پر رمیش کو بیٹھنے کا اشارہ
کر کے ایک امریکن میگزین ان کے سامنے رکھ کر یہ کہتی ہوئی تیزی سے دوسرے کمرے
میں داخل ہوگئی۔ کہ میں پانچ منٹ کے اندر اندر کپڑے تبدیل کر کے آتی ہوں۔
رمیش کمرے میں اکیلا رہ گیا تھا۔ آراستہ پیراستہ کمرے میں ایک نہایت قیمتی قالین
بچھا تھا۔ اس پر صوفہ سیٹ بھی تھا۔ ایک طرف ایک ریڈیو سیٹ رکھا تھا۔ تپائیوں پر لکڑی
اور پلاسٹک کے چھوٹے چھوٹے کھلونے اور مجسّمے رکھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر فنکارانہ نقاشی
کی گئی تھی۔ رمیش خاموشی سے بیٹھا اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔
رتنا بلاشک و شبہ ایک حسین لڑکی ہے۔ جب وہ باتیں کرتی تھی تو اس کے رخساروں
پر ہلکے سے گڑھے پڑ جاتے تھے جس سے وہ اور بھی حسین دکھائی دیتی تھی۔ مہذّب اور بااخلاق
ہے۔ رمیش سوچنے لگا کہ یہ لڑکی بیوی کے روپ میں جس شخص کے گھر جائے گی اس سے
زیادہ خوش قسمت اور کون ہو سکتا ہے۔
اس نے ایک گہرا ٹھنڈا سانس لیا۔ کالج کے دنوں میں اُسے کتنی ہی لڑکیاں چاہتی
تھیں۔ اُن میں سے کئی تو بہت ہی حسین تھیں۔ رمیش کو یاد ہے کہ کئی لڑکیاں اس سے
بات چیت کے لئے بہانے تلاش کیا کرتی تھیں۔ رمیش کو ان میں سے ایک لڑکی سیما نے
بہت متاثر کیا تھا۔ وہ اس سے ایک سال آگے تھی۔ لیکن بی، اے فائنل میں بیماری کی وجہ
سے فیل ہو کر وہ اور رمیش ایک ہی جماعت میں آگئے تھے۔ سیما بڑی شرمیلی لڑکی تھی۔ وہ

اس کے ساتھ کبھی بیٹھتی تو بھی اس سے بہت کم باتیں کرتی۔ لیکن دوسری لڑکیاں اس سے جلتیں تھوڑے ہی دنوں میں انھوں نے اس کے متعلق کتنی ہی کہانیاں پھیلادی تھیں۔ سیما پہلے تو خاموش رہی پھر اس نے رمیش سے الگ بیٹھنا شروع کیا۔ لیکن یہ کہانیاں ختم نہیں ہوئیں۔ سیما اُداس سی رہنے لگی۔ پھر اس نے کالج میں دیر سے آنا اور وقت سے پہلے ہی گھر جانا شروع کردیا۔ رمیش کو قدرے تعجب تو ہوا لیکن دریافت کرنے کی کوئی بات نہیں تھی۔ ایک دن ایک لڑکی نے شرارت کی۔ اس نے سیما کے نام سے رمیش کو ایک محبت نامہ لکھ دیا۔ اس خط میں رمیش سے صاف صاف کہا گیا تھا کہ کالج کا ٹائم ختم ہونے سے پہلے آج جب میں باہر آؤں تو آپ مجھے یقیناً ملیں۔ اس خط نے رمیش کے جسم میں بجلی کی سی لہر دوڑا دی تھی۔ وہ سیما سے ملنے کے لئے بے تاب سا ہوگیا۔ اس سے پیشتر اُسے کبھی خیال نہیں آیا کہ یہ تنیی، دُبلی خاموش سی لڑکی بھی اپنے دل میں اتنے طوفانوں کو چھپا سکتی ہے۔ رمیش اس کی طرف کھنچا تو چلا جا رہا تھا لیکن اسے اس سے کھُل کر بات چیت کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اس خط کو پاکر اب وہ سوچنے لگا کہ کیا کیا جائے۔

اس دن جب سیما کالج کے کمرے سے باہر نکلی تو وہ بھی دوسروں سے آنکھ بچانے کی کوشش کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔ سیما آہستہ آہستہ ساڑھی کا پلو سنبھالے باہر جا رہی تھی رمیش دوسری طرف سے ہوکر کالج کے باہر اس کے سامنے آگیا۔ سیما اُسے دیکھ کر چونک پڑی اس کا جسم کانپنے لگا۔ رمیش نے اس کے پاس آکر کہا "آپ نے مجھے بلایا تھا؟"

"میں... میں...؟" وہ کچھ کہہ نہ سکی۔ رمیش حیران ہوگیا۔ کہنے لگی "یہاں اس وقت ملنا ٹھیک نہیں"

ابھی اس نے یہ جملہ پورا نہیں کیا تھا۔ اور سیما شرمندہ ہوکر بھاگنے لگی تھی، کہ ایک ساتھ کئی آوازیں آئیں "رائل فول"

دونوں نے چونک کر دیکھا۔ دیوار کے سہارے کھڑے چھ سات لڑکے لڑکیاں انھیں دیکھ کر

کھلکھلائے اور بھاگ نکلے۔ سیما شرمندہ ہو کر تیزی سے آگے نکل گئی۔ رمیش اکیلا رہ گیا۔ اُسے سیما کے پیچھے جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ کچھ دیر بعد جب وہ واپس لوٹا تو کلاس کے ساتھیوں نے اسے گھیر کر ہنسی مذاق کا مضمون بنالیا۔

اس واقعہ کے بعد سیما تین چار دن تک کالج نہیں آئی تھی۔ رمیش کو بہت دُکھ ہوا وہ چاہتا تھا کہ اس سے مل کر صفائی پیش کرے لیکن اسے حوصلہ نہ ہوا۔ پھر ایک دن اسے معلوم ہوا کہ سیما نے کالج چھوڑ دیا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ سیما کے اس فیصلہ کی وجہ اس دن کا واقعہ ہی ہے۔

دو تین ماہ اسی طرح گذر گئے۔ ایک دن اس نے سیما کو ایک ہسپتال سے باہر نکلتے دیکھا۔ وہ پہلے سے کمزور دکھائی دیتی تھی۔ رمیش سے رہا نہ گیا۔ سیما کے پاس جا کر اس نے پوچھ ہی لیا۔ اُسے معلوم ہوا کہ سیما ٹائیفائڈ سے بیمار ہو کر تقریباً تین ہفتے ہسپتال میں رہی تھی اور اب اپنے بھائی کے ساتھ اپنے گھر واپس جا رہی تھی۔ سیما نے اس دن کے کالج کے واقعہ کا ذکر نہیں کیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی، کہ شاید اب وہ کسی پرائیویٹ کالج میں پڑھے گی یا کسی ٹیوٹر کی امداد سے فائنل کے لئے تیاریاں کرے گی۔

رمیش کے پاس اس کی اپنی کار تھی۔ وہ سیما اور اس کے بھائی کو ان کے مکان پر چھوڑ آیا۔ وہاں ہی اُسے معلوم ہوا کہ دُنیا میں سیما کے لئے ایک اس کا بھائی ہی ہے۔ اس کے والد فوج کے افسر تھے۔ سرحد پر پٹھانوں سے لڑتے لڑتے مارے گئے تھے۔ ایک ماں تھی جو تین سال پیشتر چل بسی تھی۔ اب اس خاندان میں سیما اور اس کا بھائی ہی رہ گئے تھے۔

سیما کے گھر رمیش کا آنا جانا شروع ہو گیا تھا۔ تنہائی میں ایک ہی ملاقات سے رمیش کو معلوم ہو گیا کہ سیما بھی اُسے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے چاہتی تھی۔ لیکن اب تک وہ کوئی ایسی بات اپنے منہ سے نکالنے کی ہمت نہ کر سکی تھی۔

سیما یتیم تھی۔ لیکن اس گھر میں روپے پیسے کی کمی نہ تھی۔ یہ بات نہ ہوتی، تو بھی اس کے تئیں رمیش کی محبت میں کوئی فرق نہیں آ سکتا تھا۔ سیما میں وہ سب کچھ موجود تھا جو ایک

مہذب اور با اخلاق لڑکی میں ہونا چاہیئے۔ اس لئے انھوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھی بن کر رہینگے۔

رمیش کی مسرت کی کوئی انتہا نہیں رہی تھی۔ وہ اکثر ازدواجی زندگی کے خوش آگیں سپنے دیکھا کرتا لیکن یہ سپنے ٹوٹ گئے۔ سردیوں کی ایک رات سیما کو نمونیہ ہو گیا اور دوسرے دن اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ رمیش کو اس کی اطلاع اس وقت ملی جب وہ ایک نزدیکی رشتہ دار کی شادی کی تقریب میں شرکت کرنے کے بعد وہ کرنال سے لوٹ کر آیا۔ اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ وہ اپنی محبوبہ کو آخری مرتبہ دیکھ بھی نہیں سکا۔

آج رتنا کی بیٹھک میں بیٹھے ہوئے اُسے اس دن کے واقعہ کی یاد آ گئی جب وہ اسی طرح سیما کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اور دوسرے کمرے میں سیما پکچر جانے کے لئے کپڑے تبدیل کر رہی تھی۔ یکایک اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تھا "چلیئے۔ دیر تو نہیں ہو گئی۔"

اس وقت وہ کتنی حسین دکھائی دیتی تھی۔ رمیش کا دل چاہتا تھا، کہ وہ بڑھ کر اسے سینے سے لگا لے لیکن اسے ہمت نہیں ہوئی۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ ایک جانب دیوار میں ایک بڑا آئینہ لگا ہوا تھا۔ رمیش کو اس میں اپنی اور سیما کی شبیہ دکھائی دی تھی۔ سیما کے بالوں کی ایک لٹ بکھر رہی تھی۔ رمیش نے بڑھ کر اسے ٹھیک کر دیا۔ سیما کے لمس سے اس کے جسم میں بجلی کی لہر سی دوڑ گئی تھی۔ سیما کچھ شرما سی گئی تھی۔ یہی شاید اُن کی آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد رمیش اُسے دیکھ نہیں سکا تھا۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ رتنا ایک خوبصورت اور دلکش ساڑھی اور بلاؤز پہنے ہاتھ میں کنگھی لئے اپنے بالوں کو سنوار رہی تھی۔ رمیش کو خاموش دیکھ کر کہنے لگی۔ "مجھے بہت افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو پریشانی ہو رہی ہے۔" یہ کہہ کر جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے الماری کھولی۔ پھلوں کی پلیٹ نکال کر رمیش کے سامنے چھوٹی سی میز پر رکھ کر کہنے

لگی ۔" کچھ بیٹ پُوجا کر بیجئے ۔ میں ابھی پلک جھپکنے آئی!"
رقص کے سے انداز میں گھوم کر وہ پھر پردہ اُٹھا کر دوسرے کمرے میں چلی گئی ۔ رمیش پھر خیالات کی دُنیا میں کھو جانے کی کوشش کرنے لگا ۔
چند لمحے بعد رتنا اُچھلتی اور مسکراتی ہوئی آئی ۔ رمیش کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُس نے کہا: "چلیئے ۔ آپ کو بلاوجہ اتنی دیر سے پریشانی ہو رہی ہے ۔"

۲
دو

رتنا کو نئے کلچر کی پیداوار کہا جائے تو غلط نہ ہوگا ۔ اس کلچر میں رہنے والے شخص اپنے آپ کو دوسروں سے بلند اور مہذّب سمجھتے ہیں ۔ دوسرے لوگوں کو خاطر میں لاتے ہی نہیں ۔ کوٹھی ہو، کار ہو، ڈرائیور ہو، نوکر ہوں ۔ ملکی زبان میں گفتگو کرنا اُن کے نزدیک جہالت کی نشانی ہے ۔ ایسے گھرانوں کی لڑکیاں، لڑکے اپنا بیشتر وقت ہوٹلوں سینما گھروں یا کلبوں میں گزارتے ہیں ۔ کسی نہ کسی کلچرل جماعت کے عہدیدار ضرور ہوتے ہیں یا کسی سماجک سنستھا کے نام سے کوئی "شو" کر ڈالتے ہیں ۔ کچھ کو خریدنا نہ ہو تو بھی شام کو شاپنگ میں انھیں یقیناً دلچسپی ہوتی ہے ۔
یہ ضروری نہیں کہ ایسی سوسائٹی میں رہنے والا ہر شخص تہذیب و اخلاق سے محروم ہو ۔ کئی بار دوسروں کو ان لوگوں کی حرکات پر یوں ہی کچھ شک ہونے لگتا ہے، حالانکہ یہ شک ٹھیک نہیں ہوتا ۔ اکثر بات اتنی ہی ہوتی ہے کہ عام ذرائع والے گھرانوں سے ان لوگوں کے ذرائع مختلف ہوتے ہیں اور ایک مختلف ماحول میں رہنے کی وجہ سے اُن کے عادات و اطوار عام لوگوں کو کچھ عجیب سا دکھائی دیتے ہیں ۔ لیکن یہ بات بھی ایسے تمام لوگوں کے لئے نہیں کہی جا سکتی ۔ یہاں لڑکے اور لڑکیاں آزادی سے ایک دوسرے سے ملتے

جلتے ہیں اور جن کے کلچر میں ہوٹل، سینما اور کلب ہی سب کچھ ہوں وہ اپنے دل کی دھڑکنوں اور اُمنگوں کو کیسے روک لیں یہ ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

رتنا اسی کلچر کی پیداوار ہے۔ اس دن رمیش بابو سے اس کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ کسی خاص مجبوری کی وجہ سے کسی اجنبی کی کار میں بیٹھ جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ رتنا کے لئے بھی یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ کتنی ہی مرتبہ وُہ دوسرے لوگوں کی گاڑیوں میں گھوم چکی تھی۔ ایک ہی میز پہ کھانے کھا چکی تھی۔ لیکن نہ جانے رمیش بابو سے اُسے گہری دلچسپی ہو رہی تھی۔

اس دن گھر سے پارٹی کو جاتے ہوئے وہ اس کے ساتھ بائیں طرف کی سیٹ پہ بیٹھ گئی تھی۔ پارٹی میں اصرار کر کے رمیش کو بھی لے گئی۔ بمبئی سے آئے ہوئے اداکاروں کی ایک پارٹی کا استقبال تھا۔ رتنا نے اُن کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ خوب تالیاں بجیں اور فوٹو لئے گئے۔ ایک دو بار رمیش بابو کی طرف دیکھ کر اس کا دل مسرت اور فخر سے اُچھل پڑا۔ لوٹتے وقت اُسے گھر پہنچانے کے لئے بے قرار آدمیوں کی کمی نہ تھی لیکن رتنا نے رمیش بابو کی کار میں گھر جانے کا فیصلہ کیا۔ انہیں بھی کوئی اعتراض نہ ہوا۔

راستے میں کہنے لگی "مجھے تو ڈر لگتا تھا کہ اتنے عظیم فن کاروں کے سامنے کہیں مجھے شرمندگی نہ اُٹھانی پڑے۔ اس لئے اسٹیج پر جاتے ہوئے میرا دل کانپ رہا تھا۔"

"لیکن آپ نے تو خوب واہ واہ لی۔" رمیش نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ میرا مذاق اُڑا رہے ہیں۔" رتنا نے آہستہ سے کہا "آج مجھے ریہرسل کرنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ اور پھر اتنے غیر متعارف لوگوں کو دیکھ کر تو مجھے ایسا لگتا تھا کہ میں سب کچھ بھول گئی ہوں۔"

"ایسی کوئی بات دکھائی تو نہیں دی۔" رمیش بابو نے کار کو ایک طرف موڑتے ہوئے کہا۔ "مجھے فنِ رقص کی اتنی سی بھی جانکاری نہیں، کچھ سمجھتا بھی نہیں لیکن آپ کے

رقص سے مجھ جیسا شخص بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ فن میں واقعی زندگی ہے، اور اس زندگی کا آپ نے بخوبی مظاہرہ کیا ہے!"

وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی "ایک سال بھی تو سیکھنے کو نہیں ملا۔ ابتدائی تعلیم کالج میں حاصل کی۔ رجحان تھا اس لئے پتا جی نے کلکتہ بھیج دیا۔ لیکن وہاں کی آب و ہوا میرے مطابق نہیں تھی۔ ایک ہی سال میں کتنی ہی مرتبہ بیمار ہوئی۔ اسلئے وہاں سے لوٹ آنا پڑا۔ دلّی اتنا بڑا شہر ہے لیکن یہاں ٹریننگ کا کوئی تسلی بخش انتظام ہی نہیں۔"

گاڑی اب آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ رتنا نے کہا: "تو رمیش بابو! آپ کو فنِ رقص سے بالکل دلچسپی نہیں؟"

وہ مسکرا دیئے۔ کہنے لگے "یہ بات نہیں۔ فن زندگی کی بنیاد ہے۔ اس سے کس کو دلچسپی نہیں ہوگی۔ لیکن کالج سے نکلنے کے بعد کاروبار میں کچھ اس طرح سے الجھ گیا ہوں کہ کہیں باہر نکلنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"تو یہ بات ہے۔" وہ مسکرا دی "تب تو آپ کو ہماری جماعت کا ممبر بننا ہی پڑے گا۔ ایک لحاظ سے ہم سب یکساں ہیں، کوئی کسی سے بڑا چھوٹا نہیں۔ آپ ہماری تقاریب میں حصّہ لیا کیجئے۔ زندگی کی پریشانیوں کو دور کرنے کا اِس سے بہتر طریقہ اور کونسا ہو سکتا ہے؟"

رمیش نے کوئی جواب نہ دیا۔ رتنا بھی خاموش ہوگئی۔ رمیش کیا سوچ رہا تھا وہ وہی جانے۔ لیکن رتنا رمیش کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ گھر پہنچ کر اُس نے آہستہ آہستہ رمیش سے اس کے بارے میں سب کچھ پوچھ لیا ــــ مثلاً ــــ اس نے کہاں تک تعلیم پائی ہے، وہ کہاں کا رہنے والا ہے، اس کے رشتہ دار کون ہیں، اس کا کاروبار کیسا چل رہا ہے، اور وہ شادی شدہ ہے یا نہیں؟ رمیش نے اس سے کوئی

بات پوشیدہ نہیں رکھی تھی۔

رتنا کو یاد ہے کہ جب گاڑی اس کی کوٹھی کے سامنے آکر رُکی تھی تو اندھیرا چھا گیا تھا۔ رمیش نے خود ہی کار کی کھڑکی کھول کر اپنے ہاتھ کا سہارا دے کر اُسے باہر نکلنے میں امداد دی تھی۔ اپنے ہاتھ اور کمر پر رمیش کے لمس نے اس کے جسم میں بجلی سی دوڑا دی تھی۔

رمیش بابو چلے گئے تھے، لیکن اپنی بیٹھک میں پہنچ کر نوکر کو کھانے کا آرڈر دیتے ہوئے، اور دوسرے کمرے میں لباس تبدیل کرتے ہوئے بھی اس کی نگاہوں میں رمیش بابو کی تصویر گھوم رہی تھی۔ وہ گنگنانے لگی۔ کھانا کھانے کے بعد بھی وہ اکثر اپنی کار پر بیٹھ کر گھومنے چلی جاتی تھی۔ لیکن آج وہ باہر کیسے جاتی۔ کچھ دیر کوٹھی کے باغیچے میں ٹہلتی رہی۔ وہاں دل نہیں لگا تو بیٹھک میں آکر انگریزی کا میگزین پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔ یہاں بھی دل نہیں لگا تو اپنی تصاویر کا البم اُٹھا کر دیکھنے لگی۔

اس کی اپنی درجنوں تصویریں تھیں، اُنھیں دیکھتے دیکھتے مسکرائی۔ تیزی سے بڑھ کر دروازہ بند کیا اور بجلی کی تیز روشنی میں دیوار میں لگے ہوئے قد آدم آئینہ میں اپنے خدوخال دیکھنے لگی۔

خود سے کہنے لگی۔

حسین تو لگتی ہوں۔

شباب میں کسی سے کم تو نہیں۔

رمیش بابو! آپ نے مجھے پسند کیا ہے یا نہیں؟

پھر وہ خود ہی مسکرادی اور یہ کہتے ہوئے کہ کوئی دیکھ لے گا، پردہ اُٹھا کر دوسرے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ گئی۔

اُس رات اُسے ایک بھیانک خواب دکھائی دیا۔ اس خواب میں پہلے تو رمیش بابو

آئے۔ جنھوں نے اسے اپنے ہاتھوں میں اُٹھا لیا تھا۔ وہ چونک پڑی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اُن کے ساتھ آسمان میں پرواز کر رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونوں چاند اور ستاروں کی دُنیا کی طرف اُڑے جا رہے ہیں۔ پھر بڑے زور سے ایک دھماکہ ہُوا، یوں لگا جیسے رمیش یا بو کہیں غائب ہو گئے ہیں اور وہ بڑی خوفناک تیز رفتاری سے کالے پانی کے ایک گہرے سمندر میں گرتی جا رہی ہے۔ اس کے مُنہ سے چیخ نکل گئی۔ زور کا دھماکہ ہُوا، اس کی آنکھ کھُل گئی۔

کمرے میں اب بھی بجلی کی روشنی تھی۔ اِدھر اُدھر کوئی بھی دکھائی نہیں دیا لیکن بُری طرح سے کانپ رہی تھی۔ اُسے ایسی آواز آئی جیسے کوئی باہر سے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہو۔ بڑی مشکل سے اس کے مُنہ سے نکلا "کون ہے ؟"

"شیلا" یہ اُس کے پڑوس میں رہنے والی عورت کی آواز تھی۔ "پرماتما کے لئے جلدی دروازہ کھولو۔"

کانپتے ہوئے وہ اُٹھی۔ لرزتے ہاتھوں سے اس نے دروازہ کھولا۔ شیلا کے چہرے کا رنگ سرسوں کے پھُول کی طرح پیلا پڑ رہا تھا۔ کانپتی ہوئی تیزی سے اندر آ کر اس نے دروازہ بند کر لیا اور کہنے لگی۔ "رتنا بہن! تم بھوتوں پر یقین رکھتی ہو ؟"

"نہیں" رتنا نے اپنے ڈر کو چھُپاتے ہوئے کہا۔ "دُنیا میں بھُوت نام کی کوئی چیز نہیں۔ یہ صرف دل کا ڈر ہوتا ہے ـــــ لیکن اتنی دیر گئے رات کو تم گھبرا کر یہاں کیوں آئی ہو ؟"

"میں نے اُن کا بھوت دیکھا ہے۔" شیلا کانپتے ہوئے لہجہ میں کہنے لگی۔ "انہیں سورگباش ہوئے چھ مہینے ہو چکے ہیں اِس لئے وہ اُن کا بھوت ہی ہو سکتا ہے اور کچھ نہیں۔"

رتنا خود بھی ڈراؤنے خواب کی وجہ سے گھبرائی ہوئی تھی۔ لیکن وہ تو صرف ایک خواب ہی تھا۔ شیلا کسی خواب کی بات نہیں کر رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اُس

نے اپنے مرحوم خاوند کا بھوت اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

ممتا نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "پگلی کہیں کی! اس طرح کوئی ڈرا جاتا ہے۔ بھوت وغیرہ کی دنیا میں کوئی حقیقت نہیں۔ تجھے صرف وہم ہو گیا ہے۔"

شیلا ایک نادار کی لڑکی تھی۔ اس کے والدین نے روپیہ کے لالچ میں دولتمند خاندان کے ایک ایسے لڑکے سے اس کی شادی کر دی تھی جو اپنے گاؤں میں ڈاکہ ڈالنے اور قتل و خون کرنے کی وجہ سے بہت بدنام تھا۔ اس کا بوڑھا باپ چاہتا تھا کہ اس کا اکلوتا بیٹا کسی طرح سدھر جائے۔ اس لئے انھوں نے اس کی شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن ایک ڈاکو اور قاتل کو کون اپنی لڑکی دیتا۔ اس لئے وہ شہر میں آگئے۔ ایک کوٹھی خریدی اور پھر شہر میں ہی ایک غریب گھرانے کو روپیہ پیسہ دے کر اس کی لڑکی کو بہو بنا کر لے آئے۔ شیلا کے والدین کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کا خاوند ایک نامی ڈاکو ہے۔ اس لئے ایک امیر گھرانے کی بہو بن کر وہ مسرت سے پھولی نہیں سماتی تھی لیکن شادی کے دوسرے دن ہی اس کا خاوند غائب ہو گیا۔ بوڑھے باپ نے یہ بات اپنی بہو سے پوشیدہ رکھنے کی بے انتہا کوشش کی۔ کہہ دیا کہ اپنے کاروبار کے سلسلے میں ایک ضروری تار ملنے پر وہ بمبئی چلا گیا ہے۔ لیکن تین دن بعد ہی اخبارات میں دلی اور میرٹھ کے درمیان ایک ٹرین میں ڈاکہ کی خبر شائع ہوئی۔ اور بوڑھے سسر نے اُسے یہ خبر سنائی کہ شیلا کا خاوند دو ڈاکوؤں میں سے ایک تھا۔ جو لوٹ کے بعد کار میں بھاگتے ہوئے کار کے حادثہ میں مارے گئے ہیں۔ شیلا کا سسر اپنے بیٹے کی لاش کو دیکھنے بھی نہیں گیا تھا کیونکہ اب اُسے ایک قاتل اور ڈاکو کو اپنا بیٹا کہتے ہوئے بھی شرم آ رہی تھی۔ شیلا کو آہ و بکا سے فرصت ملی تو اس کے سسر نے اس سے کہا۔ "بیٹی! میں جانتا ہوں کہ اس دُنیا میں تم سے زیادہ کوئی اور دُکھی نہیں۔ میں تمھاری دلی کیفیت کو، رنج و الم کو بخوبی محسوس کرتا ہوں۔ لیکن میرا دل بھی اسی آگ میں جل رہا ہے۔"

بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ روتے روتے اس نے کہا تھا "تم ہی اب اس بوڑھے کی لاٹھی ہو میری نظروں میں تم میری بیٹی ہو۔ لوگ اسے اچھا سمجھیں یا بُرا۔ لیکن اب میں تمھیں اپنی بیٹی بنا کر تمھاری شادی کراؤں گا۔ میں نے جو پاپ کیا ہے اِس کے علاوہ اُس کا پراشچت اور کچھ نہیں ہو سکتا۔"

اس وقت سے شیلا اپنے سسر کے مکان پر ہی رہ رہی تھی۔ اس کے سسر نے اپنی کل جائداد اس کے نام رجسٹری کرادی تھی۔ شیلا دوبارہ شادی کرانے کے حق میں نہیں تھی۔ وہ ایک ہسپتال میں نرسنگ ٹریننگ حاصل کر رہی تھی۔ اس کا خیال نوکری کرنے کا تھا۔ پھر بھی اس کے سسر نے اصرار کر کے جالندھر میں خاموشی سے اس کی شادی کرادی تھی۔ وہ کبھی کبھی اپنے سسر کو دیکھنے آتی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ زندگی کی دُھندلی شام میں وہ خود کو تنہا محسوس کر کے دکھی ہوں۔

گذشتہ ہفتے اس کا سسر تیرتھ یاترا کے لئے ہردوار گیا تھا۔ شیلا گھر میں اکیلی رہ رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ کچھ دیر پہلے اُسے ایسی آواز آئی جیسے کوئی باہر کے دروازے کو پھاند کر کوٹھی میں داخل ہوا ہو۔ اس نے اٹھ کر کمرے کا دروازہ کھولا تو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی سایہ اس کی طرف بڑھ رہا ہو۔ وہ ڈر گئی۔ اُس نے فوراً کمرے کے دروازے اندر سے بند کر لئے۔ وہ کانپ رہی تھی، پھر اس نے آواز سُنی جیسے کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہو۔ وہ ڈر سے کانپنے لگی۔ پھر آواز آئی "دروازہ کھولو۔ میں اشوک ہوں!"

شیلا کہہ رہی تھی "بہن یہ بالکل ان کی آواز تھی۔ میرے مُنہ سے چیخ نکل گئی۔ میں نے نوکر کو آواز دی۔ وہ چلّایا اور مجھے یوں لگا جیسے اُن کا بھوت تیزی سے بھاگ کر دروازے کو پھلانگ کر باہر نکل گیا ہے۔"

بھوت کا قصہ سُن کر رنتا کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے لیکن وہ اپنا خوف شیلا پر ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے کہا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اگر یہ خواب نہیں تھا تو

ممکن ہے کوئی کتا کوٹھی میں گھس آیا ہو۔"

"نہیں" شیلا نے کہا۔ "یہ کوئی کتا یا کوئی دوسرا جانور نہیں ہو سکتا۔ میں نے انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ برآمدے میں دیوار کے ساتھ ساتھ سائے کی طرح اپنی طرف آتے ہوئے۔ میں انھیں پہچانتی ہوں۔ ان کی آواز جانی پہچانی ہے۔ اگر ان کی موت نہ ہوئی ہوتی تو میں سمجھتی کہ وہ کسی دور دراز ملک کے سفر سے لوٹ کر آئے ہیں۔ لیکن وہ تو مر چکے ہیں، اس لئے یہ ان کا بھوت ہی ہو سکتا ہے۔"

رتنا شیلا کی رام کہانی سن کر متعجب رہ گئی۔ اُسے اس بات کا یقین نہ ہوتا تھا کہ کسی مرے ہوئے شخص کا بھوت اس طرح دکھائی دے سکتا ہے۔ لیکن شیلا کو یہ سب کچھ سمجھانا بھی تو مشکل تھا۔ اس نے اپنا کمبل شیلا پر ڈال دیا اور کہنے لگی "شیلا! میں نے بھی کچھ دیر پہلے ایک بھوت دیکھا ہے۔"

"مجھ سے مذاق نہ کرو" شیلا نے کانپتے ہوئے لہجہ میں کہا۔ "تمھیں میری بات کا یقین نہیں لیکن میں کہے دیتی ہوں کہ اگر مجھے پھر کبھی بھوت نظر آیا تو ڈر اور خوف کی شدت سے میرے دل کی دھڑکن بند ہو جائے گی۔ دوسرے دن تم مجھے زندہ نہ دیکھ سکو گی۔"

شیلا رونے لگی۔ رتنا اُسے دلاسہ دینے لگی۔ اُسے اُٹھا کر اپنی چھاتی سے لگا لیا، اور کہنے لگی "گھبرانے کی کوئی بات نہیں، اب تم یہیں سو رہو۔"

"اور اگر بھوت یہاں آ گیا تو؟"

"اس کا علاج میرے پاس ہے۔" رتنا نے مسکرا کر کہا۔ "ٹائیگر کو اس کے کمرے سے نکال کر کھول دیتی ہوں۔ بھوت تو کیا، اس کا باپ بھی ٹائیگر کے ہوتے ہوئے یہاں نہیں آ سکتا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

تین

"رمیش بابو کہاں ہیں؟"

گذشتہ پندرہ دنوں میں تیسری مرتبہ اُوشا نے اُن کے گیرج پہ پہنچ کر اُن کے مکینک سے پوچھا تھا۔ یہی بات وہ ٹیلیفون پر اُن کی دکان سے بھی کئی بار پوچھ چکی تھی۔ دکان سے جواب ملا کہ وہ گیرج میں ہیں اور وہاں سے پوچھتی تو جواب ملتا کہ وہ رتنا کے مکان پر گئے ہیں۔ آج رتنا کے یہاں اُن کا کھانا ہے یا وہ دونوں کلب گئے ہیں۔

تیسری بار بھی کچھ اسی طرح کا جواب ملنے پر اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے پوچھ ہی لیا

"رتنا جی کون ہیں، کہاں رہتی ہیں؟"

"ہم کیا جانیں"، مکینک نے کہا۔ "کئی دن سے ان کی گاڑی اکثر خراب رہتی ہے اس لئے مالک انہیں گاڑی پر چھوڑ آتے ہیں۔ آج بھی شاید انھیں چھوڑنے کے لئے ہی گئے ہیں۔"

اوشا پریشان اور مایوس ہو کر لوٹ گئی تھی۔

اُس دن رتنا کی کار جو خراب ہوئی تو ٹھیک ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھی کبھی گیرج میں ٹھیک ہونے میں دیر لگ جاتی تو کبھی ٹھیک ہونے سے دوسرے دن ہی پھر خراب ہو جاتی۔ لیکن رمیش بابو کی کار نئی دلّی اور پرانی دلّی کے چکر کاٹتی رہنے پر بھی خراب ہونے کا نام نہیں لیتی تھی۔ رتنا کی کار خراب ہونے کی وجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، اُس نے دو طوفان بھرے دلوں کو ایک دوسرے کے اس قدر نزدیک لا دیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی دھڑکنوں کو بخوبی محسوس کر رہے تھے۔

پکچر دیکھنے کا پروگرام بنا تھا آج۔ رمیش بابو رتنا کے گھر اسی کی بیٹھک میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ رتنا پڑوس کی ایک عورت کی آواز آنے پر باہر گئی تھی۔ یکایک ان کا دھیان دراز کی طرف گیا۔ بلا وجہ ہی انھوں نے اُسے کھولا۔ ایک کورا سا لفافہ پڑا تھا

اُسے دیکھ کر یکایک ہی اُن کے ہاتھ اس کی طرف بڑھے۔ رتنا نے شیلا کے نام ایک خط لکھا تھا، کچھ اس طرح لکھا تھا اس نے :

پیاری سہیلی !

خط ملا۔ تم نے لکھا ہے کہ دلّی سے آنے کے بعد یہاں تم نے اشوک کا بھوت نہیں دیکھا، یہ اچھا ہی ہوا۔ اگر ایک عورت سہاگ کی رات ہی اپنے خاوند کی موت کی خبر سن لے اور دوبارہ شادی ہونے کے بعد مرحوم خاوند کا بھوت اسے پریشان کرنے لگے تو یہ اچھی بات نہیں۔ کیونکہ اس حالت میں اس کی گھریلو زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

میں اب بھی کہتی ہوں کہ وہ کوئی بھوت نہیں تھا، صرف تمہارے دل کا ایک بھولا بھٹکا خیال تھا۔ اچھا ہوا کہ جالندھر میں دوبارہ ایسا کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ تم نے لکھا ہے کہ میرا بھوت کہاں ہے، مجھے اس کے خواب آتے ہیں یا نہیں ؟ اور وہ تاریک راتوں میں میرے دل کو ٹٹولنے کے لئے آتا ہے یا نہیں ؟ میں اس کا کیا جواب دوں ؟ بھوت کی شکل تو ڈراؤنی ہوتی ہے۔ تمہیں جس سے ڈر لگتا ہے ممکن ہے اس کی شکل بھوت کی طرح بھیانک ہو۔ لیکن جو میرے من مندر میں داخل ہو کر بس گئے وہ عادات و اطوار، شکل و شبیہ میں دیوتا کی طرح ہیں۔ میں ان کے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتی۔ اور وہ بھی مجھے دیکھے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے ہم دونوں کو ایک ہونے کے لئے پیدا کیا ہے۔

میری باتوں پر شاید تمہیں یقین نہ آئے اس لئے ان کا ایک نیا فوٹو بھیج رہی ہوں۔ دیکھنا کہیں اس فوٹو پر فریفتہ ہو کر میرا ستیاناس نہ کر دینا۔ میں نہیں چاہتی کہ کوئی دوسری لڑکی ان سے محبت کرے۔

یہاں ایک کالی سی لڑکی اکثر ان کے پیچھے پڑی رہتی ہے،
میں تو اس سے بھی انھیں ملنے کا موقع نہیں دیتی۔ بلاشک و شبہہ وہ کالی
کلوٹی ہے، لیکن بہن تم جانتی ہو مردوں کا کیا ......
رمیش بابو اس سے آگے کچھ پڑھ نہ سکے تھے کہ برآمدے سے رتنا کے لوٹ آنے کی آواز آرہی
تھی جھٹ پٹ لفافہ بند کر کے دراز کے اندر رکھ کر دراز کو بند کر کے انھوں نے چائے کی
پیالی اٹھالی اور اسی طرح پینے میں مگن ہو گئے جیسے کوئی بات ہوئی ہی نہیں تھی۔
رتنا ان کے سامنے آکر کرسی پر بیٹھ گئی۔ رمیش بابو نے چائے کی پیالی رکھ دی اور
کہنے لگے "سویٹی! ایک بات پوچھوں؟ بتاؤگی؟"
"کہیے۔" اس نے حیرانی سے کہا۔
"تم بھوتوں کے وجود کو تسلیم کرتی ہو؟"
"نہیں۔"
"لیکن میں مانتا ہوں۔" رمیش بابو نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "میں نے کل رات کو
ایک بھوت دیکھا ہے۔"
"یہ صرف دل کا وہم ہے۔" رتنا نے کہا۔ "ڈاکٹر گپتا کا کہنا ہے کہ اگر شام کو دیر سے
اور قدرے ثقیل کھانا کھایا جائے تو معدے میں گیس پیدا ہو کر دماغ کی طرف چڑھتی ہے اسی سے
بھیانک سپنے آتے ہیں، بھوت نام کی کوئی چیز اس دنیا میں نہیں۔"
رمیش بابو پہلے کی طرح سنجیدہ لہجہ میں بولے "لیکن وہ ایک خواب نہیں تھا۔ میں
نے جب اسے دیکھا تو سویا ہوا بھی نہیں تھا۔ میں اس بھوت کو چاندنی رات میں دیکھتا ہوں۔
اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہمیشہ میرا تعاقب کر رہا ہو۔"
رتنا نے اپنے بالوں کو سنوارتے ہوئے کہا "یہ نہیں ہو سکتا۔ ہمارے پڑوس میں
رہنے والی ایک لڑکی نے ایک رات بلاوجہ جاگ کر مجھے پریشان کر دیا تھا۔ وہ بھی کہتی تھی

کہ اس نے رات کو بھوت دیکھا تھا۔"

رمیش بابو نے کہا" اس لڑکی کی شکل وصورت کیا تھی ؟"

رتنا نے متعجب ہو کر کہا" کیوں، آپ یہ کیوں جاننا چاہتے ہیں ؟"

رمیش نے گفتگو کے انداز میں تبدیلی نہیں کی۔ کہنے لگے" میں نے ایک نہیں، تین بھوت دیکھے ہیں۔ ایک بھوت ایک کالی سی لڑکی کا تھا، دوسرا بھوت ایک گوری سی لڑکی کا تھا۔ تیسرا بھوت ایک خوفناک شکل کے آدمی کا تھا۔ کالی لڑکی کا نام مجھے یاد نہیں رہا لیکن گوری لڑکی کا نام شیلا تھا۔ آدمی کا بھوت اس کے خاوند کا تھا جو کہہ رہا تھا کہ میری موت نہیں ہوئی، میں ابھی زندہ ہوں۔ لیکن تم نے میرے جیتے جی ایک اور شخص سے شادی کر لی ہے میں تمھیں اس کے ساتھ رہنے نہیں دوں گا۔"

رتنا چونک پڑی۔ کہنے لگی" سچ کہہ رہے ہیں آپ کہ آپ نے شیلا کو دیکھا ہے ۔۔ ؟ میرا مطلب ہے کہ کیا وہ شیلا نہیں تھی اس کا بھوت تھا ؟"

"جی ہاں" رمیش نے کہا" سچ ہی تو کہہ رہا ہوں، کہ میں نے اس کا بھوت دیکھا ہے اور اس کے خاوند کا بھی"

"اس کے خاوند کے بھوت کا کیا نام تھا؟" رتنا نے پوچھا" یاد کر کے دیکھو۔۔ کہیں اس کا نام اشوک تو نہیں تھا"

"اشوک ؟ ۔۔ ہاں ہاں، اشوک ہی اس کا نام تھا!"

رتنا کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ گھبرا گئی وہ۔ چند لمحے سوچ کر کہنے لگی۔" مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اچھا تو وہ کالی لڑکی کون تھی؟ اس کا نام ؟"

رمیش بابو نے سنجیدہ لہجہ میں کہا۔" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اس لڑکی کو زندہ حالت میں کہیں دیکھا ہے۔ یاد آتا ہے کہ اس کا نام اوشا یا پشپا تھا۔"

رتنا کانپ اٹھی۔

کہنے لگی: "اگر صرف اشوک کی بات ہوتی تو مجھے کوئی شک نہ ہوتا کیونکہ وہ مر چکا ہے ممکن ہے مرنے والے بھوت بن کر اپنی زندگی کی ادھوری خواہشات کی تکمیل کے لئے بھوت بن کر آتے ہوں لیکن جو زندہ ہوں وہ کیونکر بھوت بن سکتے ہیں؟"

رمیش نے کہا: "مجھے یہ سب کچھ معلوم نہیں۔ لیکن میں نے تینوں بھوتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کالی لڑکی کا بھوت مجھے ڈرا رہا تھا، دھمکی دے رہا تھا کہ اگر میں نے اس کی بجائے رتنا کو بیوی کی شکل میں اپنا لیا تو وہ ہم دونوں کو زندہ نہیں رہنے دے گا۔"

رتنا کو یہ بات اچھی نہیں لگی۔ کہنے لگی "مجھے یقین نہیں آتا۔ آپ آج ہی میرے ساتھ ڈاکٹر گپتا کی دکان پر چلیں، وہ ایک مشہور ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ہی نفسیات کے ایکسپرٹ بھی ہیں۔ مجھے ان پر مکمل اعتماد ہے۔"

رمیش کے لئے وہ چائے تیار کرنے لگی۔ رمیش اب بھی سنجیدہ شکل بنائے بیٹھا تھا کہنے لگا "اشوک کا بھوت کہہ رہا تھا کہ رتنا کے خطوط شیلا کو بھاگا نہیں سکتے۔ میں بدلہ لے کر رہوں گا۔"

رتنا چونک پڑی۔ بڑھ کر اس نے دراز کھولی۔ اور اپنا خط اٹھا کر کہنے لگی "اب سمجھ گئی۔ آپ نے میرا خط پڑھ لیا ہے اور اس کی بنیاد پر یہ کہانی گھڑ لی ہے۔ واقعی مرد بڑے چالاک ہوتے ہیں۔"

رمیش بابو اور رتنا کی نگاہیں چار ہوئیں۔ دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ رمیش اس کی طرف لپکے، وہ پیچھے ہٹی، انھوں نے بڑھ کر اسے دبوچ لیا۔ دونوں ہاتھوں میں سنگ مرمر کی سی مورتی کو اٹھا کر انھوں نے صوفے پر ڈال دیا۔ اور اس کے ہونٹوں کو چوم کر کہنے لگے "میں نے غلطی کی کہ خط کا ذکر کر دیا۔ نہیں تو میری کہانی پر تمھیں یقین آ ہی گیا تھا۔"

"ہرگز نہیں۔" رتنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پھر یہ کہتے ہوئے کہ نوکر آ رہا ہے

اُچھل کر تیزی سے اُن سے دُور ہٹ گئی۔

نوکر کہیں بھی نہیں تھا، رتنا نے خود کو آزاد کرانے کے لئے بہانہ کیا تھا۔ وہ قدآدم آئینہ کے سامنے کھڑی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ رمیش بابو آہستہ آہستہ اُس کے پاس چلے گئے۔ اس بار رتنا نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔ رمیش بابو نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کا منہ شیشے کی طرف کر کے کہنے لگے — "کیا خیال ہے؟ — جوڑی کیسی لگتی ہے —؟"

شرم و حیا کی سُرخی رتنا کے رخساروں پر دوڑ گئی۔ اُس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا پھر قدرے توقف کے بعد اُن کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اُس نے اپنا منہ اس کے سینے سے لگا لیا۔ رمیش بابو اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہے تھے۔ ان کا دوسرا ہاتھ رتنا کی پیٹھ پر تھا۔ چند لمحے تک یہی حالت رہی۔ پھر رمیش بابو نے اس کا چہرہ اپنی طرف کیا۔ اور محبت آمیز لہجے میں کہنے لگے۔

"اس راہ پر چلتے چلتے ہم بہت آگے نکل آئے ہیں۔ سوچتا ہوں جب تمہارے ڈیڈی آئیں گے تو اسے پسند بھی کریں گے یا نہیں۔"

رتنا بولی: "کیوں؟ — انھیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟؟ — وہ تو آپ کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔ شادی کی تجویز پر اُنھیں ہرگز کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔"

اچانک کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ دونوں چونک کر الگ ہو گئے۔ رتنا نے کھڑے کھڑے کہا: "کون ہے؟"

"میں ہوں۔" باہر سے کسی مرد کی آواز آئی۔

"آپ کون ہیں؟" رتنا نے پھر پوچھا۔ اور وہ دروازہ کھولنے کے لئے آگے بڑھی۔ دروازہ کھل گیا۔ ایک ڈراؤنی شکل کا آدمی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا رنگ کالا تھا، چپٹی سی ناک تھی، آنکھیں لال لال تھیں اور سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ رتنا اسے

دیکھ کر ڈر گئی۔

"تم ... تم .... ؟" اس نے گھبرا کر کہا۔ "تم کون ہو؟ کیا نام ہے تمھارا ؟"

"میرا نام اشوک ہے۔"

"اشوک" کا لفظ سنتے ہی رتنا کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں اور دوسرے ہی لمحے ایک چیخ کے ساتھ بیہوش ہو کر گر پڑی۔

رمیش بابو کا منہ دوسری طرف تھا اس لئے انھوں نے اس شخص کو دیکھا نہیں تھا، لیکن اس کی آواز سُن لی تھی۔ رتنا کو بے ہوش ہو کر گرتے دیکھ کر وہ کرسی کو ایک طرف دھکیل کر تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔ اُنھیں دیکھتے ہی وہ شخص بھاگ کھڑا ہوا۔ رمیش بابو نے اس کا تعاقب نہیں کیا۔ اس کا تعاقب کرنے سے زیادہ ضروری تھا اپنی محبوبہ کو ہوش میں لانا۔ انھوں نے بیہوش رتنا کو دونوں ہاتھوں سے اُٹھا لیا۔ نوکر کو پانی لانے کے لئے زور سے آواز دی اور بے ہوش جسم کو دوسرے کمرے میں لے جا کر انھوں نے چارپائی پر ڈال دیا۔ نوکر اتنی دیر میں پانی لے کر آ گیا تھا۔ رمیش بابو نے رتنا کے مُنہ پر پانی کے چھینٹے ڈالے۔ اس کی آنکھیں جھپکیں۔ رمیش بابو کے اشارے پر نوکر چلنے سے لے آیا تھا۔ رمیش بابو نے رتنا کے مُنہ میں چائے ڈالی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے چلّا کر کہا "بھوت!" اور پھر بے ہوش ہو گئی۔ رمیش بابو ڈر گئے، انھوں نے نوکر سے کہا کہ وہ فوراً ڈاکٹر کو بلا لائے۔ نوکر بھاگا۔ رمیش بابو نے رتنا کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور پھر اس کے مُنہ پر پانی کے چھینٹے ڈالے۔ چند لمحے بعد وہ پھر ہوش میں آ گئی۔ آنکھیں کھول کر اس نے کہا: "آپ ؟"

"ہاں ۔۔۔ میں رمیش ہوں۔" رمیش بابو نے اُسے حوصلہ دلاتے ہوئے کہا۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔"

"اور ... وہ بھوت ... ؟"

"وہ بھوت نہیں تھا ایک بدمعاش تھا میں نے اُسے بھگا دیا۔"

"نہیں، وہ بھوت تھا۔" رتنا نے کانپتے ہوئے لہجہ میں کہا۔ "میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ میں اشوک ہوں۔"

"وہ غلط کہہ رہا تھا۔" رمیش بابو نے کہا۔ "وہ ایک بدمعاش تھا۔ پولیس نے اُسے پکڑ لیا ہے۔"

رمیش نے اُسے گرم گرم چائے پلائی۔ رتنا کا سینہ زور زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔ رمیش بابو نے ہاتھ لگا کر اس دھڑکن کو محسوس کیا۔ اتنے میں ڈاکٹر آ گیا تھا — رمیش بابو نے اُسے ایک طرف لے جا کر سمجھا دیا تھا کہ وہ رتنا سے کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے اس کے دماغ پر بُرا اثر پڑے۔ ڈاکٹر نے اسے دل کی طاقت کے لئے انجکشن لگایا اور اُسے حوصلہ دے کر نوکر کو دوا لانے کے لیئے اپنے ساتھ لے گیا۔

سُوئی لگنے سے رتنا کی حالت ٹھیک ہو گئی تھی۔ لیکن وہ ابھی کمزور تھی۔ ڈاکٹر کے جاتے ہی رمیش نے پھر اُس کا سر اپنی گود میں لے لیا اور اس کے بالوں کو سہلانے لگا۔

رتنا کو جھوٹی تسلّی دے کر رمیش بابو نے اطمینان دلا دیا تھا لیکن اُن کی اپنی تسلّی نہیں ہوئی تھی۔ اپنے دماغ پر بہت زور ڈالنے پر بھی وہ یہ سمجھ نہیں سکے کہ رتنا جس شخص کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئی تھی وہ کون تھا۔ بھوت کا بھی کوئی وجود ہو سکتا ہے یہ بات اُن کا دل نہیں مانتا تھا۔ وہ کوئی لوفر ہی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے اتنی بڑی کوٹھی میں ایک حسین لڑکی کو اکیلی سمجھ کر وہ اس پر حملہ کرنے کے لئے آ گیا ہو۔ اس کا کوئی اور کام تو نہیں ہو سکتا۔ ورنہ رتنا کے بے ہوش ہو کر گرنے پر کیوں بھاگ کھڑا ہوتا۔ لیکن کیا پولیس کو اس کی رپورٹ کرنی چاہیئے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ابھی ابھی وہ رتنا سے کہہ چکے تھے کہ پولیس اس بدمعاش کو پکڑ کر لے گئی ہے۔ اگر اب وہ رپورٹ کریں اور پولیس تفتیش کیلئے آ جائے تو رتنا کے دماغ پر اس کا بُرا اثر پڑے گا۔ اور جب تک وہ بدمعاش گرفتار نہیں

ہو جائے گا، رتنا ایک نئی ذہنی بیماری میں مبتلا ہے گی۔ اس کا نتیجہ اس لڑکی کے لئے اچھا نہیں ہو سکتا۔ دوسری جانب وہ سوچتے تھے کہ اگر وہ بدمعاش دوبارہ آگیا تو...؟

رتنا نے کہا "آپ سوچ کیا ہے ہیں؟"

رمیش بابو نے مسکرا کر کہا۔ "کچھ بھی تو نہیں، یہ سوچ رہا تھا کہ اس بدمعاش کی وجہ سے آج کا پکچر کا پروگرام مِس ہو گیا ہے"

رتنا نے ان کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"اب تو کہیں بھی جانے کو دل نہیں چاہتا۔ یہی چاہتی ہوں کہ آپ کے پاس اس طرح بیٹھی رہوں۔ آپ میری آنکھوں سے ایک لمحے کے لئے بھی دُور نہ ہوں"

رمیش نے مسکرا کر اُس کے بالوں کو چوم لیا۔

کہنے لگا۔

"میں کہیں نہیں جا رہا ہوں"

اس نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ شام کے چار بجا چاہتے تھے۔ آج وہ سارا دن اپنے کام پر نہیں گئے تھے۔ ویسے بھی کئی دن سے یہی حال تھا کہ رتنا کی وجہ سے اپنے کاروبار کی طرف توجہ دینے کے لئے انھیں زیادہ وقت نہیں ملتا تھا۔ وہ اُٹھے اور کمرے میں ٹہلنے لگے۔ اتنے میں کوٹھی کے باہر کسی کار کے رُک جانے کی آواز سُنائی دی۔ رمیش بابو چونک پڑے۔ پھر کسی عورت اور بچّوں کی بات چیت کی آواز سُنائی دی۔ وہ رتنا کے کمرے سے باہر نکلے۔ ٹائیگر کو نوکر نے شاید دوسری طرف سے لاکر برآمدے میں باندھ دیا تھا اور وہ ان جانے لوگوں کو دیکھ کر زور زور سے بھونک رہا تھا۔ رمیش بابو بیٹھک سے باہر نکلے۔ ٹائیگر کی وجہ سے وہ لوگ کوٹھی کے اندر آکر برآمدے میں ہی رُک گئے تھے۔ نوکر ایک طرف سے بھاگتا ہوا آیا۔ اس نے ٹائیگر کو گردن سے پکڑ لیا۔ خوبصورت اور قیمتی کپڑوں میں ملبوس ایک عورت دو چھوٹے چھوٹے بچّوں کو لئے ایک

آدمی سے سامان اٹھوائے آگے بڑھی۔ رمیش بابو کو دیکھ کر اس نے کہا۔

"بیٹی رتنا اندر ہے کیا؟"

"جی ہاں" رمیش بابو نے کہا۔ "اُن کی طبیعت کچھ خراب ہے اس لئے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق لیٹی ہوئی ہیں"

"کیا ہوا میری بیٹی کو؟" کہہ کر وہ تیزی سے بیٹھک میں داخل ہو گئی۔ رمیش بابو اُسے رتنا کے کمرے میں لے گئے۔ رتنا نے اُسے دیکھا تو چارپائی سے اُتر کر اس عورت کے گلے لگ گئی۔

وہ عورت رتنا کی مُوسی تھی اور امرت سر سے اپنے دونوں بچوں کو لے کر کچھ دن دہلی رہنے کے لئے اپنی موٹر گاڑی پر آئی تھی۔

رتنا نے بچّوں کو ایک ایک کر کے اُٹھایا۔ چھاتی سے لگایا، پیار کیا اور پھر اپنی مُوسی سے کہنے لگی۔ "یہ ہیں رمیش بابو۔ میرے کالج کے ہم جماعت۔ ان کی ماتا جی نے گانے کے لئے مجھے ان کے ذریعہ دعوت دی تھی۔ کچھ ایسے ہی آج طبیعت خراب تھی، اس لئے کہنا پڑا کہ ....."

یہ ساری کہانی من گھڑت تھی۔ رتنا نے شاید اس خدشہ سے فوراً ہی یہ بات اپنی مُوسی سے کہہ دی کہ کہیں رمیش بابو اس کی موسی سے کچھ اور ہی نہ کہہ دیں۔

رتنا کی موسی نے رمیش بابو کی طرف دیکھ کر کہا: "شاید آپ ہی کی کار باہر کھڑی ہے۔"

"جی ہاں" رمیش نے جواب دیا۔

رتنا کی مُوسی چارپائی پر بیٹھ کر حکم دینے لگی۔ "نوکر کہاں مر گیا ہے؟ اس سے کہہ دو کہ سامان ٹھیک طرح سے رکھ دے۔ وہ کہاں آ کر مرے گا، میں خود ہی جاتی ہوں حرام خور کہیں کا! ہمیں دیکھ کر تو جل ہی گیا ہوگا۔"

نوکر بھاگا بھاگا آ گیا تھا۔ موسی اُسے ایک ساتھ کئی حکم دیتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد رمیش نے رتنا کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔ آہستہ سے کہنے لگی "پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ ان کی عادت ہی ایسی ہے۔ ہر ایک سے جھگڑا کرتی ہیں"

رمیش نے ہنس کر کہا "لیکن تم نے تو انھیں خوب بے وقوف بنایا۔"

"اور آپ نے خاموش رہ کر میرا ساتھ دیا۔" وہ بھی مسکرا دی۔

"تو میں چلتا ہوں۔" رمیش نے اُسی طرح مسکراتے ہوئے کہا۔ "موسی جی اس وقت نوکر پر برس رہی ہیں، وہاں سے فرصت ملی تو اپنے رام کی باری بھی آ سکتی ہے"

نگاہوں نگاہوں میں ہی اشارے ہو گئے۔ رمیش نمستے کر کے باہر نکل آیا۔

چار

اس حادثہ کے کچھ دن بعد ـــــ!

شیلا جالندھر میں اپنے خاوند کے گھر اپنی بوڑھی ساس کو کھانا کھلانے کے بعد برآمدے میں کرسی پر بیٹھی سویٹر بُن رہی تھی کہ ڈاکیے نے اُسے ایک لفافہ دیا۔ شیلا نے لفافہ لے کر کھولا۔ اور خط پڑھنے لگی۔ خط رتنا کا تھا۔ اس نے لکھا تھا:

پیاری سہیلی!

معاف کرنا کہ میں اِس سے پہلے تمھیں کوئی خط لکھ نہ سکی امرت سر سے میری موسی اپنے دو بچوں اور ایک ڈرائیور کے ساتھ اتنے دن یہاں رہ کر آج ہی بڑی مشکل سے وداع ہوئی ہے۔ میں "بڑی مشکل" کے الفاظ اس لیئے لکھے ہیں کہ اُن کی حالت بِن بُلائے

مہان کی سی ہوتی ہے، اور وہ جہاں ایک بار ڈیرا ڈال دیں وہاں سے آسانی سے نہیں ہلتیں، اور پھر جہاں قدم رکھیں وہاں دوسروں کا ناک میں دم کر دیتی ہیں۔

تم نے پوچھا ہے کہ ہم نے اشوک کا بھوت پھر کبھی دیکھا ہے یا نہیں؟ بات یہ ہے کہ اُس دن کے حادثہ کے بعد ہم کے بعد ہم نے کوئی بھوت نہیں دیکھا، جیسا کہ میں نے پہلے لکھا تھا رمیش بابو نے ہی کہا تھا کہ وُہ کوئی بدمعاش ہے اور اُسے پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ تمہارے سسر کے نوکر نے دو دِن ہوئے چلا کر آدھی رات کو سارا گھر سر پہ اُٹھا لیا۔ میں تو ڈر کے مارے باہر نہیں نکلی۔ لیکن میرے نوکر نے بتایا ہے کہ چلانے والے نے تاریک رات میں ایک بھوت دیکھا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ رات آہٹ پا کر چونکا۔ تو اس نے ایک خوفناک سائے کو آہستہ آہستہ دیوار کے سہارے چلتے دیکھا۔ پھر یکایک کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا اور سائے نے کھڑکی کھول کر کمرے کے اندر داخل ہونے کی کوشش کی۔ نوکر دہشت کے مارے چلا اُٹھا۔ ہمارا ٹائیگر زور زور سے بھونکنے لگا۔ نوکر کا کہنا ہے، کہ پھر اس نے سائے کو تیزی سے باہر کی طرف جاتے دیکھا اور وہ خود خوف زدہ ہو کر بے ہوش ہو گیا تھا۔

یہ ایک دن کی بات تھی۔ اس نے بند کمرے میں سونا شروع کر دیا تیسرے یا چوتھے روز اُسے مالک کے کمرے میں بات چیت کی آواز سنائی دی۔ وُہ چونک پڑا.....

خط پڑھتے پڑھتے شیلا کانپنے لگی تھی۔ اُسے یوں لگا جیسے اُس کے مرحوم خاوند کا

بھوت اس کے سامنے کھڑا اُسے پستول سے مار ڈالنے کی دھمکی دے رہا ہو۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور کھول لیں۔ درحقیقت یہ اُس کے دل کا بھرم تھا ـــــ وہ پھر خط پڑھنے لگی۔ لکھا تھا:

.....اور باتیں سُننے کی کوشش کرنے لگا۔ تمھارے سسر سے کوئی گرج گرج کر کہہ رہا تھا "ایک ہزار روپے دے دو نہیں تو شیلا کی خیر نہیں۔ میں اُسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالوں گا" اس کے بعد جو کچھ باتیں ہوئیں وہ انھیں سمجھ نہ سکا۔ کچھ دیر بعد وہ باہر نکلا تو یہ دیکھ کر کانپ اُٹھا کہ ایک سایہ سا تیزی سے باہر جا رہا ہے۔ اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ بھاگ کر کمرے میں واپس آگیا اُسے ساری رات نیند نہیں آئی۔ دوسرے دن اُس نے ڈرتے ڈرتے تمھارے سسر سے پوچھا تو انھوں نے مسکرا کر کہا۔ "یہ سب تمھارے دل کا شک ہے۔ رات کو میرے کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا، میں نے تو کوئی سایہ نہیں دیکھا" نوکر خاموش ہو گیا، لیکن اسی دن نوکری چھوڑ کر چلا گیا۔ آج کل تمھارے سسر کے پاس کوئی نوکر نہیں ہے بے چارے اکیلے ہی رہتے ہیں۔

اخیر میں رتنا نے لکھا تھا:

میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا، میرا خیال ہے یہ کوئی بھوت نہیں ہے اس علاقہ میں اکثر چوریاں ہوتی رہتی ہیں، معلوم ہوتا ہے، یہ بھی کوئی چور ہے۔ آج نہیں تو کل یقیناً پکڑا جائے گا۔ لیکن شیلا ــ! مجھے ایک بھوت سے ڈر لگتا ہے۔ میرا مطلب ہے وہ کالی لڑکی۔ آج کل وہ اُن کی دکان کے سامنے ایک ریستوران میں ملازم ہو گئی

ہے۔ ایک دِن اُن کی کار میں گھومتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔

خیر! تم کب یہاں آ رہی ہو؟ تمھارے سسر ایک دِن کہہ رہے تھے کہ وہ تمھارے پاس آئیں گے۔ کیا ہی اچھا ہو، کہ تم کچھ دن کے لئے یہاں آجاؤ۔

تمھاری بہن

رتن کماری

"کالی لڑکی!" شیلا نے یہ الفاظ دُہرائے۔ پھر اپنے آپ سے کہنے لگی" رتنا بھی کتنی بے وقوف ہے۔ رمیش بابو کبھی اُسے چھوڑ کر ایک کالی لڑکی سے محبّت کر سکتے ہیں۔"

اور وُہ کالی لڑکی!

ایک نے اُسے دیکھا ہُوا تھا۔ دُوسری نے اس کے بارے میں صرف سُنا ہی تھا۔ اُوشا! کیا وُہ واقعی کالی لڑکی تھی!؟

... ...

مسٹر ناگپال نے اوشا کے جسم میں ہلکی سی چٹکی لی۔ اور اس کی طرف دیکھ کر کہا" ہیپی کرسمس!"

کاؤنٹر پر کھڑی ہوئی اُوشا نے بِل کی رقم وصول کرتے ہوئے جھینپ کر کہا" تھینک یُو — لیکن میں عیسائی تو نہیں ہوں صاحب!"

"اوہ — ساری! — مجھے افسوس ہے۔" کہہ کر مسٹر ناگپال نے کہا" عیسائی ہم بھی نہیں۔ لیکن کرسمس تو اب قومی تہوار بن گیا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آج ہمارے مالک رمیش بابو نے ایک چھوٹی سی پارٹی دی ہے۔ انھوں نے ہم سے کہا تھا کہ آپ کو بھی دعوت نامہ دے دیا جائے۔"

رمیش بابو کا نام سُن کر اُوشا چونک پڑی۔ کہنے لگی "کیا وہ آج کل یہاں ہیں۔ میں نے تو سُنا تھا کہ رتنا سے اُن کی شادی ہونے والی ہے، اس لئے وہ تیاریوں کیلئے باہر گئے ہوئے ہیں۔"

مسٹر ناگپال نے جیب سے اِنویٹیشن کارڈ نکالا اور اُس پر اُوشا کا نام لکھکر کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے کہا "شادی، اور رتنا سے؟ یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔"

اوشا نے چونک کر کہا "تو آپ کا مطلب یہ ہے، کہ شادی کی بات ابھی پکّی نہیں ہوئی؟"

ناگپال نے نفرت آمیز لہجہ میں کہا "یہ شادی کبھی نہیں ہو سکتی۔ رتنا اُن لڑکیوں میں سے نہیں ہے جو کسی ایک کی ہو کر رہتی ہیں۔ ایسی لڑکیوں کو نت نئے شکار کی تلاش رہتی ہے۔"

"لیکن رتنا ویسی لڑکیوں جیسی تو نہیں۔" اُوشا نے کہا۔

"اس کے متعلّق کچھ نہ پُوچھئے۔" ناگپال نے کہا "میں جانتا ہوں کہ اُس کی شکارگاہیں کہاں کہاں ہیں۔"

ایک فیشن ایبل عورت ایک نوجوان کے ساتھ بِل دینے کے لئے کاؤنٹر پر آئی تھی، اِس لئے اُوشا کو اس کی طرف متوجّہ ہونا پڑا۔ اور ناگپال صاحب یہ کہہ کر باہر نِکل گئے کہ "بھُولئے گا نہیں، پارٹی میں ضرور آئیے گا۔"

اوشا کے دل میں گدگدی سی ہونے لگی۔ اُسے ناگپال کی باتوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ کیونکہ دو تین روز پہلے ہی اس کی سہیلی کلپنا نے اُسے بتایا تھا کہ رتنا اور رمیش جلد ہی ایک ہو جانے والے ہیں۔ رتنا اچھی لڑکی ہے یا بُری، اس کے متعلّق اُوشا کو کچھ زیادہ معلوم نہیں تھا۔ دو تین بار وہ اس ریستوران میں آئی رہی تھی۔ ایک مرتبہ رمیش بابو اس کے ساتھ تھے۔ دوسری مرتبہ اُس کے ساتھ تین چار اَور

لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے ایک لڑکی کو اُوشا جانتی تھی، اور وہ اس طرح کہ دُوسرے تیسرے دن وہ لڑکی کسی نہ کسی نوجوان کے ساتھ اس ریستوران میں آتی ہے۔ اُس کی حرکتوں سے ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بگڑے دماغ کی ہے۔ شاید رتنا اس کی سہیلی ہونے کی وجہ سے اسی طرح کی ہو۔

اُوشا، شام کی پارٹی میں شامل نہیں ہوئی۔ چاہتی تو بھی شامل نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ اس کے لئے کاؤنٹر کو چھوڑ کر اور کہیں جانا ناممکن تھا۔

اپنے دل کو مسوس کر رہ گئی وہ!

رمیش بابو سے اُسے بے پناہ محبّت تھی۔ وہ کئی بار اُن سے ملی تھی۔ انھیں بھی معلوم تھا کہ اُوشا اُن کے گیرج کے سامنے ریستوران میں کام کر رہی ہے۔ وہ بھی کبھی یہاں آتے تو اس سے بات چیت بھی کرتے۔ دو ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ وہ اُسے اپنی کار میں اُس کے مکان پر چھوڑ آئے تھے۔ رمیش بابو کی ماں کو اُوشا سے اُنس ہو گیا تھا۔ اُسے معلوُم ہو گیا تھا، کہ اُوشا رمیش بابو کے ساتھ کالج میں پڑھتی رہی ہے۔ اور غریب خاندان کی لڑکی ہونے کی وجہ سے خود نوکری کر کے گھر کی گاڑی چلاتی ہے۔ رمیش بابو کی ماں پُرانے خیالات کی عورت تھی۔ وہ اُس زمانے سے تعلّق رکھتی تھی، جب ماں باپ اپنے لڑکوں کے لئے بیوی کا چناؤ کرتے وقت صرف یہی دیکھتے تھے، کہ لڑکی کس خاندان کی ہے۔ لڑکی کی صورت شکل کیسی ہے، اس پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ اپنے ماں باپ کے بعد اوشا کو اس عورت سے ہی پیار اور عزّت ملی تھی۔ اور یہ عورت اُوشا سے جس طریقے سے پیش آتی تھی اُس سے محسوس ہوتا تھا، کہ دنیا میں اس کے لئے بھی کوئی جگہ ہے۔ رمیش بھی اس کی عزّت کرتا تھا۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ رمیش نے اس کے تئیں کبھی اظہارِ محبت نہیں کیا تھا یا اُس نے ایسی نظروں سے اُوشا کو دیکھا ہی نہیں تھا

تو غلط نہیں ہوگا۔

ایک دن اُوشا نے اُن لوگوں کو کھانے کے لئے دعوت دی۔ اُوشا نے اس دن اپنے گھر کی خوب صفائی کی۔ جہاں تک ہو سکا، سجانے کی کوشش کی لیکن وہ آیا نہیں، اُس کی ماں آئی۔ اوشا کی تعریف کے پُل باندھتی رہی۔ لیکن جب رمیش نہیں آیا تو اُسے بہت دُکھ ہُوا۔ اوشا شرم و حیا کے مارے اپنے دل کی بات نہ کہہ سکی وہ یہی سوچتی رہ گئی، کہ رمیش بابو کو رتنا سے کہاں فرصت مل سکتی ہے۔

دوسرے دن شام کو وہ ریستوران سے باہر نکل کر اپنے گھر جانا چاہتی تھی کہ نادانستہ طور پر ہی اُس کے قدم رمیش بابو کے گیرج کی طرف اُٹھ گئے۔ باہر رمیش کی کار کھڑی تھی۔ وہ سیدھی گیرج میں داخل ہو گئی۔ کوئی بھی نوکر دکھائی نہیں دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب لوگ چھٹی کر گئے ہیں۔ رمیش بابو کے کمرے کے نزدیک پہنچی تو اندر سے بلند آواز میں جھگڑنے کی سی باتیں سُنائی دیں۔ وہ رک گئی۔ رمیش بابو اور ناگپال میں باتیں ہو رہی تھیں۔ اُوشا نے سُنا۔ ناگپال کہہ رہا تھا —— "مجھے آج ہی پانچ سَو روپے ملنے چاہئیں۔ نہیں تو میں بھانڈہ پھوڑ دوں گا۔"

اُوشا چونک کر رُک گئی۔ آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ رمیش بابو نے ناگپال کے جواب میں آہستہ سے کچھ کہا لیکن اُوشا سمجھ نہ سکی۔ ناگپال نے پھر چلّا کر کہا۔ "تمہارے رتنا سے ناجائز تعلقات ہیں۔ میرے پاس اس بات کا پختہ ثبوت ہے۔ تم مجھے گرفتار کرانے کی دھمکیاں دے کر میری زبان بند نہیں کر سکتے۔"

اس بار رمیش بابو نے جو کچھ کہا وہ اوشا نے سُن لیا۔ وہ کہہ رہے تھے "رتنا سے میرے کس قسم کے تعلقات ہیں اس سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں۔ تم اپنی بات کہو حساب میں دو سَو روپے کی کمی کیوں ہو گئی؟ یہ روپیہ تم نے یقیناً ریس میں ہار دیا ہے۔"

"ہرگز نہیں:" ناگپال نے کہا" یہ روپے میں نے رتنا کے لئے آپ کے کہنے پر
ساڑھیوں پر خرچ کئے ہیں۔ اگر آپ اپنی غلطی چھپانے کے لئے مجھ پر الزام لگاتے
ہیں تو میں بھانڈا پھوڑے بغیر نہیں رہوں گا۔"

"تم میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔" رمیش بابو نے سختی سے کہا۔

"میں کل ہی پوسٹر چھپوا دوں گا:" ناگپال نے کڑک کر کہا:" صاف صاف
لکھوں گا، کہ سندر نگر کے ایک مشہور اور باعزت خاندان کی لڑکی رتنا نے شادی
سے پہلے ہی ایک شخص سے ناجائز تعلّقات قائم کر رکھے ہیں:"

"تو یہ بات ہے:" رمیش بابو نے کہا:" روپے بٹورنے کے لئے تم ایک شریف
گھرانے کو بدنام کرنا چاہتے ہو؟"

ناگپال نے کہا:" میں کسی کو بدنام کرنا نہیں چاہتا۔ میں ایسا کر کے سماج کی سیوا
کروں گا!"

"اور اگر پانچ سو روپے مل گئے تو؟"

"خاموش رہوں گا۔ یہی سمجھوں گا کہ میں سماج کا ٹھیکیدار نہیں:"

رمیش بابو خاموش ہو گئے۔ چند لمحے بعد انھوں نے کہا:" تو یہ لو پانچسو روپے۔
یہ تو تمھاری اخلاقی گراوٹ۔ لیکن اگر پانچسو روپے دے کر ایک شریف گھرانے کی
عزت بچ سکتی ہے تو بُری بات نہیں:"

"شکریہ!" ناگپال نے کہا۔

چند لمحے دونوں خاموش رہے۔ پھر رمیش بابو نے کہا:" وعدہ کرو، کہ تم
رتنا کو بدنام کرنے کی کوشش نہیں کروگے۔ جب تک ہماری شادی کی بات پکّی نہیں
ہو جاتی اِس بارے میں اپنی زبان بند رکھوگے!"

"وعدہ کرتا ہوں۔" ناگپال نے کہا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ باہر نکلنے والا ہے۔ اُوشا تیزی سے پہلے ہی باہر نکل آئی اور اپنے گھر کی طرف پیدل چلنے لگی۔ چند لمحے بعد ناگپال اس کے پاس سے ہو کر گذرا اور اُسے دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

" ہیلو مس اُوشا! تم کدھر؟ " اُس نے کہا " رمیش بابو ابھی گیرج میں ہی ہیں۔ شاید تمہارا ہی انتظار کر رہے ہیں "

اُوشا اُسے دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ ہمت کرکے بولی " نہیں! میں اُن سے ملنا نہیں چاہتی۔ اپنے گھر جا رہی ہوں "

" رمیش بابو سے کوئی جھگڑا ہو گیا ہے کیا؟ "

" نہیں تو " اُوشا نے کہا " میرا اُن سے کیا تعلق ہے؟ "

" تو اچھی بات ہے کہ اُن سے تمہارا کوئی تعلق نہیں " ناگپال نے قہقہہ لگا کر کہا " ایک تعلقات پیدا کر کے پچھتا رہی ہے۔ دوسری کو بھی شاید پچھتانا ہی پڑتا "

اوشا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُسے ناگپال سے ڈر لگ رہا تھا۔

ناگپال نے کہا " مس اوشا! تم سے تو کوئی بات پوشیدہ نہیں! جانتی ہو، یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟ "

اوشا نے جان چھڑانے کے لئے کہا " میں کچھ نہیں جانتی۔ محنت مزدوری سے فرصت ہی نہیں ملتی۔ جاننے کی کوشش کر کے مجھے کیا ملے گا؟ "

ناگپال پیچھا چھوڑنے والا نہیں تھا۔ کہنے لگا " کئی بار، جاننے کی کوشش سے فائدہ بھی ہوتا ہے۔ مثلاً میں نے جاننے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ رتنا ایک بدمعاش لڑکی ہے۔ رمیش بابو اپنی فرم کی آمدنی اُس پر بُری طرح لُٹا رہے ہیں "

اوشا اُس کی باتیں سُن کر دل ہی دل میں شرمندہ ہو رہی تھی۔ اس نے جھنجھلا کر کہا " ناگپال جی! مجھے دوسروں کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں! "

"لیکن میں کہتا ہوں کہ تمھیں دلچسپی لینی چاہیئے۔"

"کیوں؟" اُوشا نے جھنجھلا کر کہا۔

وُہ ایک طرف مڑ گئی۔ ناگپال بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ کہنے لگا "یہ بات میں اِس لئے کہتا ہوں کہ رمیش کی ماں نہیں چاہتی کہ رتنا سے رمیش کی شادی ہو وُہ تم سے رمیش کی شادی کرنا چاہتی ہے۔ اس لئے میں رمیش اور رتنا کا زیادہ میل جول پسند نہیں کرتا، کسی نہ کسی طرح توڑ دینا چاہتا ہوں۔"

اوشا کو ناگپال کی یہ بات پسند آنی چاہیئے تھی لیکن اسے ناگپال سے نفرت ہو رہی تھی۔ اُس نے کہا "ناگپال جی! میں نے ایک بار کہہ دیا، کہ مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"تو میں رمیش کی ماں سے کہہ دوں گا کہ اوشا کو یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔" ناگپال نے رُک کر کہا۔

اُوشا اس سوال کا جواب دیئے بغیر ہی آگے بڑھ گئی تھی۔ ناگپال سے دراصل اُسے بہت ڈر لگ رہا تھا۔ وُہ سوچتی تھی، کہ اگر کسی نے یہ بات سُن لی تو اس کے بارے میں وُہ کیا سوچے گا۔ اس لئے وہ خاموش رہ کر تیزی سے چلنے لگی۔

ناگپال نے اس کے پاس آکر کہا "مس اُوشا! میں تمھاری مشکل سمجھتا ہوں اگر بُرا نہ مانو تو ہم یہاں سے ٹیکسی کر کے کسی دوسری جگہ چلے چلتے ہیں، وہاں تنہائی میں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

اُوشا گھبرا گئی۔ ایک ٹیکسی نزدیک ہی سے گذری تھی۔ اُوشا نے اُس کے ڈرائیور کو اشارہ کیا اور اکیلے ہی گاڑی میں بیٹھ کر گھر کی جانب چلی گئی۔ ناگپال دیکھتا رہ گیا۔

اُوشا جب تک اپنے گھر نہیں پہنچی، خوف زدہ ہی رہی۔ اُسے ڈر لگا کہ ناگپال اس کا پیچھا کرے گا —— گھر پہنچی تو اُس نے اطمینان کا سانس لیا۔

اُس رات اُوشا بہت دیر تک سوچتی رہی۔ ناگپال سے اُسے کسی بھلائی کی توقّع نہیں ہو سکتی۔ جو شخص اپنے مالک کی بہتری و بہبودی نہیں سوچ سکتا وہ کسی دوسرے سے کیوں صلح روا رکھے گا۔ کچھ دیر پہلے اُس نے رمیش بابو کے گیرج میں جو باتیں سُنی تھیں اُن سے یہ بات واضح ہو گئی تھی، کہ ناگپال بلیک میلر ہے۔ وہ کسی وقت اُوشا کو بھی اسی طرح پریشان کر سکتا ہے، یہ خیال کرتے ہی وہ کانپ اُٹھی۔

لیکن ... لیکن یہ بات کہاں تک سچ ہے کہ رمیش بابو کی ماں رتنا سے اپنے بیٹے کی شادی کرنا نہیں چاہتی اور وہ چاہتی ہے کہ اُوشا اس کی بہو بنے۔

کچھ بھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

پانچ

شیلا کا خط پڑھتے پڑھتے رتنا کانپنے لگی۔

بھوت! اشوک کا بھوت جالندھر بھی پہنچ گیا؟ اگر یہ چور ہے تو دلّی میں رتنا کے مکان پر ہی گرفتار کر لیا گیا تھا، پھر یہ پنجاب میں اتنی دُور کیونکر پہنچ سکتا ہے؟ یقیناً اس میں کوئی اسرار ہے۔

شیلا نے لکھا تھا:

پیاری سہیلی!

مَیں خود تُمھیں خط نہیں لکھ رہی کیونکہ میرے پہلے کئی خطوط کا جواب نہ آنے کی وجہ سے مجھے اس بات کا شک ہے کہ میرے سُسر جی کے نام لکھے ہُوئے خط راستے ہی میں گم ہو رہے ہیں، کوئی شخص شرارت کر رہا ہے۔

اُن سے میری طرف سے درخواست کرو کہ مجھے یہاں سے کچھ دِن کے لئے کسی جگہ لے جائیں۔ میں دلّی جانا نہیں چاہتی۔ کیونکہ مجھے اس مکان میں جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے اور میں یہاں زیادہ دِن رہی تو کسی وقت بھی میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔

میری باتوں پر ہنسی اُڑانے کی کوشش نہ کرنا۔ میں بہت دُکھی ہوں۔ دو دِن ہوئے، میں اپنے پتی کے ساتھ سینما دیکھنے گئی تھی جب ہال میں کچھ اندھیرا چھا گیا اور فلم چلنے لگی تو کچھ دیر بعد ہی مجھے یوں لگا جیسے کوئی بھوت میرے نزدیک سے گزرا ہو۔ اُس کی لال لال آنکھیں اندھیرے میں چمک رہی تھیں اور مجھے ہی گھور رہی تھیں۔ میں نے پتی دیو سے کہا، کہ کوئی ڈاکو معلوم ہوتا ہے، لیکن جب اُنھوں نے دیکھا تو کوئی شخص دکھائی نہیں دیا، شاید وُہ باہر نکل گیا تھا۔

ہم تانگہ پر مکان کی طرف گئے تو ایک کالی سی کار آہستہ آہستہ ہمارا تعاقب کرتی رہی۔ پھر ہمارے مکان کے سامنے آکر کار ایک طرف تیزی سے نکل گئی، میرا دل ڈوبنے لگا۔

رتنا بہن! — کل رات ساڑھے گیارہ بجے کسی نے ہمارے مکان کا دروازہ باہر سے کھٹکھٹایا۔ میرے پتی دیو اُٹھے، اُنھوں نے کھڑکی کھول کر باہر جھانکا تو کانپ اُٹھے۔ ایک سیاہ سایہ بندوق اُٹھائے باہر کے دروازے کے ساتھ کھڑا تھا۔ کچھ اندر ایک اور سایہ سا رینگتا نظر آیا۔ میرے پتی کے مُنہ سے چیخ نکل گئی۔ ہم سب دوڑے ہوئے آئے لیکن اس وقت وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ میرے پتی دیو

کہہ رہے تھے کہ لال لال آنکھیں نکالے ایک شخص انھیں گھور رہا تھا اور کہنے لگے، کہ شاید اس شخص کو آج دن میں مَیں نے اپنے دفتر کے باہر گھومتے ہوئے دیکھا ہے۔

ہم نے پولیس میں رپورٹ لکھوا دی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی چور ہی ہو جو دہلی سے میرا پیچھا کر رہا ہو لیکن میں نہیں سمجھ سکی کہ کسی کو مجھ سے ایسی دشمنی کیوں ہو سکتی ہے۔ میں نے کسی کا کچھ بگاڑا نہیں، میرے پتی دیو تو قطعی بے گناہ ہیں۔ شاید میری وجہ سے ہی اُنکی زندگی خطرے میں ہے۔ میں یہاں سے خاموشی سے کہیں چلی جاؤں تو شاید یہ خطرہ اُن کے سر سے ٹل جائے۔

مہربانی کر کے کسی اور کو کچھ بتائے بغیر میرے پوجیہ سسر جی کو یہ خط دے دینا اور اُن سے درخواست کرنا کہ وُہ میری امداد کریں۔

تمھاری دُکھی بہن

شیلا

رتنا نے یہ خط ختم کیا ہی تھا اور وُہ دوسری بار پھر پڑھنا چاہتی تھی کہ ٹائیگر کے بھونکنے کی آواز آئی۔ پھر نوکر کمرے میں داخل ہوا۔ ایک وزیٹنگ کارڈ رتنا کے حوالے کرتے ہوئے اس نے کہا: "ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں"

رتنا نے دیکھا کارڈ پر کسی، "ایم، سی ورما ایڈیٹر ہفتہ وار نیا سورج" کا نام لکھا تھا۔ رتنا اس وقت صرف بیٹی کوٹ اور جمپر پہنے ہوئے تھی۔ اور اس کے بال بکھر رہے تھے اُس نے نوکر سے کہا: "انھیں بیٹھک میں بٹھاؤ میں تھوڑی دیر میں باہر آتی ہوں"

ٹائیگر اب بھی زور شور سے بھونک رہا تھا۔ نوکر باہر جا کر اُسے پکڑ کر ورما جی سے اندر آنے کو کہہ رہا تھا۔ ورما جی بیٹھک میں داخل ہو کر کرسی پر بیٹھ گئے۔

"رتنا جی کہاں ہیں؟ مجھے اُن سے ملنا ہے۔" انھوں نے نوکر سے پوچھا۔
نوکر نے کہا "وہ دوسرے کمرے میں ہیں۔ ابھی کپڑے بدل کر آتی ہیں۔"
وہ خاموش ہو گئے۔ اپنا کیمرہ میز پہ رکھ کر وہ کرسی سے اُٹھے اور دیواروں پر آویزاں تصویروں کو دیکھنے لگے۔ رتنا کو کچھ دیر لگ گئی تھی۔ جب وہ پردہ اُٹھا کر دوسرے کمرے سے آئی تو اخبار نویس صاحب اپنی ڈائری میں کچھ لکھ رہے تھے۔ رتنا کو دیکھ کر انھوں نے کہا
"معاف کرنا آپ کو پہلے سے اطلاع دیئے بغیر یہاں آکر تکلیف دے رہا ہوں۔"
رتنا نے سامنے کی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔ "نہیں، اس میں تکلیف کی کوئی بات نہیں، آپ سے مل کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔"
اخبار نویس صاحب نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ "کمرے کو تو خوب آراستہ پیراستہ کر رکھا ہے۔" پھر وہ کہنے لگے "آپ سے پہلے کی کوئی جان پہچان نہیں۔ پھر بھی آپ کا نام سُن رکھا تھا۔ آپ کے پتا جی سوسائٹی میں اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہیں۔ ہر شخص اُن کی عزت کرتا ہے۔ آپ کی نیک نامی کی بدولت یہاں چلا آیا۔"
رتنا کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ معلوم نہیں اس تمہید کا مطلب کیا ہوگا۔ یہ سوچ کر اس نے کہا۔ "آپ کی مہربانی۔ ہم لوگ ہر شخص کو اپنا دوست اور خیر خواہ سمجھتے ہیں، آپ بھی اُن میں سے ایک ہیں۔"
"یہ تو ٹھیک ہے۔" اُس شخص نے کہا۔ "لیکن یہ ضروری نہیں کہ جن لوگوں کو آپ اپنا خیر خواہ سمجھیں وہ درحقیقت آپ کے خیر خواہ ہوں۔"
"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" رتنا نے چونک کر کہا۔
ورما جی نے سنجیدہ لہجہ میں کہا۔ "مثال کے طور پہ آپ کے بالکل نزدیک رہنے والا ایک شخص آپ کے خاندان کو بدنام کرنا چاہتا ہے۔"
رتنا پریشان ہو گئی۔ اس سے کچھ کہا نہیں گیا۔

ورما جی نے کہا "میں اِس لئے آیا تھا کہ ممکن ہو تو آپ کی کچھ امداد کر دوں ؟"

رتنا کانپ اُٹھی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔

ورما جی نے مزید ہمت کر کے کہا "آپ جس سوسائٹی سے تعلق رکھتی ہیں اس میں اکثر ایسی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ میرا مطلب ہے کہ اسے گناہ نہیں سمجھا جاتا لیکن میرا خیال ہے کہ آپ اس سوسائٹی میں رہتے ہوئے بھی اونچے خیالات رکھتی ہیں۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔" رتنا نے پریشان ہو کر کہا۔

ورما جی نے کھانس کر کہا "بات کچھ ایسی ہے کہ آپ سے کہتے ہوئے ہچکچا رہا ہوں۔" پھر رتنا کو کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر وہ کہنے لگے "آپ رمیش بابو سے محبت کرتی ہیں ؟"

رتنا کے چہرے کا رنگ شرم و حیا سے پیلا پڑ گیا۔ خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے کہا "آپ کو اس سے مطلب ؟"

"مطلب ؟" ورما جی نے کہا "میرا مطلب یہ ہے کہ میرا آپ کے کسی نجی معاملہ سے کوئی مطلب نہیں ہو سکتا۔ کسی دوسرے کو بھی کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن میرا مطلب یہ ہے کہ دُنیا کا مُنہ تو بند نہیں کیا جا سکتا۔ وہ لوگ یوں ہی انگلیاں اُٹھانے لگ جاتے ہیں۔"

"میں اُن لوگوں سے نہیں ڈرتی۔ میں پڑھی لکھی لڑکی ہوں۔ اپنا بھلا بُرا......"

"خود جانتی ہوں..... یہی آپ کہنا چاہتی ہیں نا ؟" ورما جی نے فقرہ پورا کرتے ہوئے کہا "لیکن جب یہ باتیں ہونے لگیں کہ آپ شادی سے پیشتر ہی رمیش بابو کے ساتھ کلب میں جاتی ہیں....."

"تو کیا ہوا" رتنا نے کہا "میں اس میں کوئی بُرائی نہیں سمجھتی۔ ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ کلب جائیں یا سینما۔ یہ ہمارا نجی معاملہ ہے۔"

"ٹھیک ہے — ٹھیک ہے۔" ورماجی نے کہا: "آپ اُن کے ساتھ موٹر میں گھومتی ہیں، سینما اور کلب میں جاتی ہیں۔ آپ کے ساتھ مل کر ڈانس کرنے کی ایک تصویر بھی دیکھی ہے۔ یہ سب آپ کے ذاتی معاملے ہیں۔ لیکن میرا مطلب یہ ہے کہ . . . "

"آپ کا مطلب میں نہیں سمجھی۔" رتنا نے غصہ میں آ کر کہا: "جن باتوں میں آپکو دلچسپی نہیں ہونی چاہیئے معلوم نہیں، آپ ان میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں؟"

"میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا مس صاحبہ!" ورماجی نے سنجیدہ لہجہ میں کہا: "میں نے دوسروں کی بات کہی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ مجھے آپ کے پاس پڑوس سے کئی خطوط آئے ہیں، ان میں شکایت کی گئی ہے کہ رمیش بابو اکثر یہاں آتے رہتے ہیں اور کبھی کبھی رات کو یہاں ٹھہر بھی جاتے ہیں۔ لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔"

"یہ سب جھوٹ ہے۔" رتنا نے کہا: "لیکن اگر اس میں کوئی بات ٹھیک بھی ہو تو بھی میں کسی کی پرواہ نہیں کرتی۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے! آپ کو کسی سے ڈرنا نہیں چاہیئے۔" ورماجی نے کہا: "سانچ کو آنچ نہیں، میرا مطلب یہ ہے کہ . . . "

"پھر وہی میرا مطلب؟" رتنا نے تند لہجہ میں کہا: "جانتے نہیں، کہ آپ کس سے باتیں کر رہے ہیں؟"

ورماجی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے: "معاف کرنا دیوی جی! میں آپ کو کوئی صلاح دینے نہیں آیا تھا، میں ایک اخبار نویس ہوں۔ اس بارے میں مجھے آپ سے یہی پوچھنا تھا کہ آپ کے پاس پڑوسیوں سے جو خطوط آئے ہیں، اُن کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ وہ معلوم ہو گیا۔ کل اخبار میں شائع کر دوں گا۔ اس سے زیادہ مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔"

رتنا چونک پڑی۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ کل کے اخبار میں وہ بحث مباحثہ کا موضوع بن جائے گی۔ کہنے لگی: "تو آپ کا مطلب کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں! آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری باتوں کا جواب دے کر میرا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔"

"آپ میرے خلاف لکھنا چاہتے ہیں؟" رتنا نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"جی نہیں" ورما جی نے کہا: "میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔ جو شخص کسی کا خیر خواہ ہو وہ اس کا دشمن کیونکر بن سکتا ہے؟"

رتنا کچھ کہنا چاہتی تھی، کہ ورما جی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا: "اچھا، نمستے! میں نہیں چاہتا کہ آپ کو میرے متعلق کوئی غلط فہمی ہو۔ اس لئے میں جا رہا ہوں۔"

رتنا کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اب کیا کہے۔ ورما جی لاپرواہی سے کمرے سے باہر نکل گئے تو اسے ہوش آیا۔ تیزی سے باہر نکلی اور اس نے ورما جی کو آواز دی۔ ورما جی رک گئے۔ مڑ کر دیکھا، رتنا نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"آپ کو تکلیف تو ہوگی۔ لیکن ..."

"فرمائیے" انھوں نے دھیں سے پوچھا۔ وہ سمجھ گئے کہ تیر نشانے پر بیٹھا ہے۔

رتنا نے کانپتی آواز میں کہا: "آپ سے ایک ضروری کام ہے۔"

وہ پھر کمرے کے اندر آگئی۔ ورما جی اس کے پیچھے پیچھے آئے۔ اور اپنی گھڑی کو دیکھ کر کہنے لگے: "مجھے بہت دیر ہوگئی ہے۔"

"دو چار منٹ بیٹھئے تو سہی۔"

وہ بیٹھ کر پھر گھڑی دیکھنے لگے۔

رتنا نے نوکر کو چائے کے لئے آواز دی۔ اور کرسی پر بیٹھ کر کہنے لگی: "آپ کے خیال میں یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ کون پردے کے پیچھے تار ہلا رہا ہے؟"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا" ورما جی نے کہا۔

وہ کہنے لگی: "میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے کبھی کسی کا کچھ بگاڑا نہیں۔ پھر سب ..."

لوگ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کن لوگوں نے آپ کو میرے خلاف خط لکھے ہیں ؟"

"جی نہیں ،" ورما جی نے کہا۔" میں ایک اخبار نویس ہوں اور ہمارا یہ اصول ہے کہ جو لوگ ہمیں خط لکھیں ہم اُن کے نام کسی کو بتایا نہیں کرتے ۔"

رتنا اُداس ہوگئی۔ چند لمحے خاموش رہ کر بولی۔" تو کیا کوئی ایسی صورت نہیں ہوسکتی کہ وہ خطوط شائع نہ ہوں ۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے مس صاحبہ ؟" ورما جی نے کہا۔" یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم لوگوں کی شکایات سُنیں اور اپنے اخبار میں شائع کریں۔ اگر ایسا نہ کریں تو لوگ ہمیں گالیاں دینے لگیں ۔"

رتنا اور بھی پریشان ہوگئی ۔ اس کا سر چکرانے لگا ۔ چند لمحے بعد کہنے لگا ۔

" ورما جی ! آپ جس فرض کو نبھاتے ہیں۔ اگر اس سے کسی کی زندگی تباہ ہو جائے تو اس سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا ؟"

انھوں نے حیرانی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔" زندگی تباہ ہونے کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی !"

رتنا کی آنکھوں میں آنسو آگئے ۔ کہنے لگی ۔" میں ایک لڑکی ہوں ۔ میرے بارے میں اخبارات میں شائع ہونے سے بدنامی نہیں ہوگی تو اور کیا ہوگا ؟"

ورما جی نے آہستہ سے کہا۔" آپ بات تو ٹھیک کہتی ہیں لیکن میں مجبور ہوں ۔ میں اس معاملے میں آپ کی کچھ امداد نہیں کر سکتا ۔"

" کوئی راستہ نکالئے ۔" رتنا کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے ۔

چائے آگئی تھی لیکن کسی کو اس کا دھیان نہیں تھا ۔ نوکر کے چلے جانے کے بعد ورما جی نے کہا۔" میں تو خاموش رہوں لیکن اپنے مالک کو کیسے خاموش رکھ سکتا ہوں ؟

انھوں نے ہی مجھے یہاں بھیجا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بہت لالچی آدمی ہیں۔"

رتنا خاموش تھی۔

ورما جی کہتے گئے۔ "آپ سے کہتے ہوئے جھجک ہوتی ہے۔ اُن کے پاس رمیش بابو کے ساتھ آپ کا ایک فوٹو بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خبر کے ساتھ ہی آپ کا فوٹو بھی شائع ہو۔"

وہ کانپ اُٹھی۔ بمشکل تمام خود پر قابو پاکر بولی۔ "ورما جی! بھگوان کے لئے میری امداد کیجیے۔"

"میں مجبور ہوں رتنا جی!" ورما جی نے کہا۔ "کہہ چکا ہوں کہ وہ بڑے لالچی ہیں۔ روپے سے اُن کا مُنہ بند رکھا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ بات میں آپ سے کیونکر کہہ سکتا ہوں۔"

رتنا کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ روپے کہاں سے لائے، سوچنے لگی۔

ورما جی کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر اُٹھتے ہوئے کہنے لگے۔ "دیکھیے، میرا اپنا اندازہ ہے کہ وہ دو ہزار سے کم پر نہیں مانیں گے۔ اگر آپ اتنے روپے کا انتظام کرسکیں تو مجھے امید ہے کہ میں اُن کا مُنہ بند کرسکوں گا۔"

رتنا کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ کہنے لگی۔ "دو ہزار روپے! میں اتنی رقم کہاں سے لاسکتی ہوں؟"

ورما جی لاپرواہی سے کہنے لگے: "آپ کی حالات کا مجھے اچھی طرح اندازہ ہے لیکن ایک بات ہوسکتی ہے۔"

"کیا؟"

"یہ رقم آپ رمیش بابو سے لے سکتی ہیں۔"

"رمیش بابو سے!" رتنا نے کانپ کر کہا۔ "اُنھیں تو یہ بات معلوم ہی نہیں ہونی چاہیئے۔"

درماجی کو ہنسی آگئی۔ کہنے لگے۔" یہ بھی آپ نے خوب ہی کہا۔ آپ اُنھیں کہہ سکتی ہیں کہ ایک اخبار نویس آپ دونوں کے خلاف لکھنے والا ہے، ان کی بدنامی کا سوال بھی توہے۔ اُن کے پاس روپے کی کمی نہیں۔ اور پھر وُہ آپ کو چاہتے بھی تو ہیں۔"

" نہیں نہیں، میں ایسا نہیں کر سکتی۔ اُن سے کوئی ایسی بات کہنے کی مجھ میں ہمّت نہیں ہو سکتی۔"

"ٹھیک ہے!" درماجی نے کہا۔" تو مجھے اجازت دیجئے۔ میرے مالک میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

وُہ گھبرا گئی۔

" ذرا رُکئے۔" اُس نے کہا۔

وُہ پھر رُک گئے۔

رتنا نے کہا۔" آپ ایک دو دن رُک نہیں سکتے؟"

" میں تو رُک جاؤں۔ مگر میرے اخبار کے محترم مالک تو انتظار نہیں کر سکتے!"

وُہ سوچ میں پڑ گئی۔

درماجی شکار کو پریشان دیکھ کر لوٹ جانے کے لئے بے تاب ہو گئے۔

رتنا نے کہا۔" ایک بات ہو سکتی ہے۔"

"کیا؟"

رتنا نے اپنا ہار اُتارا اور کہنے لگی۔" آپ اِسے لے جائیں۔ جب میرے پاس رُوپے ہوں گے، آپ سے ہار واپس لے لوں گی۔"

درماجی خاموش ہو گئے۔

پھر بولے۔" نہیں جی! — میں ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ یہ تو میرے لئے بہت بُری بات ہے۔"

"تو کیا کیا جائے ؟" وہ پریشان ہو کر بولی۔
درما جی سوچ میں پڑ گئے، پھر کہنے لگے "اچھا، میں ہارے جاتا ہوں - اسے اپنے پاس رکھ کر اُنھیں دو ہزار روپیہ دے دوں گا۔ لیکن آپ کو کچھ لکھ کر دینا ہوگا۔"

"کیا ؟"

وہ تحریر کرانے لگے اور رتنا لکھنے لگی۔

"شریمان جی !

براہِ مہربانی آپ وہ خط شائع نہ کریں جس سے میری بدنامی ہوتی ہے۔ میری تصاویر واپس کر دیجیے۔ میں آپ کے خلاف کوئی بات نہیں کروں گی، آپ کی بدنامی بھی نہیں کروں گی۔ وجہ آپ جانتے ہی ہیں میں نے اب فیصلہ کر لیا ہے کہ رمیش بابو سے شادی کروں گی۔ جو کچھ ہوا ہے آپ اُسے بھول کر مجھے معاف کر دیں۔

آپ کی

رتن کماری "

رتنا اِس قدر پریشان تھی، کہ اُسے خود معلوم نہیں تھا وہ کیا لکھتی جا رہی ہے"
درما جی نے فوراً کاغذ کا ٹکڑا جیب میں ڈالا، رتنا کا ہار بیگ میں رکھا اور کہنے لگی "دیکھیے میں کوشش کروں گا کہ آپ کو کچھ بھی دینا نہ پڑے اور آپ کا ہار بھی آپ کو واپس مل جائے۔"

"اور یہ خط ؟ — میرا فوٹو ؟ — اور شکایتی خطوط ؟"
"وہ سب آپ کو مل جائیں گے" درما جی نے کمرے کے باہر قدم رکھتے ہوئے کہا "آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں — اور ہاں! یہ بات کسی سے نہ کہیے گا!"

وہ تیزی سے باہر نکل گئے۔

رتنا نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اور دوسرے کمرے میں جاکر خود کو پلنگ پر گرا کر زار زار رونے لگ گئی۔

چھ

شیلا کے دل کی دھڑکن بند سی ہونے لگی
اُس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔

بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ جب اُسے ہوش آیا تو اس کا بوڑھا سُسر اس کی چارپائی کے پاس ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ شیلا کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں ہو رہا تھا ایک چیخ کے ساتھ ہی وہ پھر بے ہوش ہو گئی۔

دوپہر کا وقت تھا۔ گھنگھور گھٹا نے آسمان پر سورج کو چھپا لیا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رات ہونے والی ہے۔ کچھ دیر پہلے وہ اس ماحول میں اپنے کمرے میں ہی چارپائی پر لیٹی شرت کا ناول "خانہ بربادی" پڑھ رہی تھی۔ اس کے سامنے ناول کے وہ صفحات تھے جن میں مصنف نے بتایا ہے کہ سریش اچلا کو اپنی سمجھ کر گاڑی میں دھوکے سے بٹھا کر لے جاتا ہے اور جب اچلا کو معلوم ہو جاتا ہے تو وہ سریش کو کوسنے لگتی ہے۔

شیلا کو ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ ناول نہیں ہے بلکہ یہ حادثہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہی ہو رہا ہو —— اچانک کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ چونک اٹھی سوچنے لگی کہ اس وقت بارش میں کون آسکتا ہے؟ کہیں اشوک کا بھوت ہی نہ ہو —— وہ کانپ اُٹھی اس خیال کے آتے ہی —— اس بھوت سے بچنے کے لئے ہی تو وہ جالندھر سے دلّی نہ جاکر دہرہ دون آگئی تھی۔

پھر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون؟" اُس کے مُنہ سے یہ الفاظ خود بخود نکل گئے۔

"ڈاکیہ! — آپ کی ایک رجسٹری آئی ہے۔"

شیلا نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور ڈاکیہ سے چِٹھی لے کر دستخط کر کے وُہ پھر اندر آگئی۔

خط رتنا کا تھا۔ بے تابی سے کھول کر وُہ پڑھنے لگی۔ اس نے کچھ اسی طرح سے لکھا تھا:—

پیاری سہیلی!

تم سُکھی رہو۔ دہرہ دُون میں پہنچ کر شاید قدرتی مناظر میں کھو گئی ہو اِسی لیے تو تمھارا کوئی خط نہیں آرہا!

میں بہت دُکھی ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میرا کیا بنے گا۔ ہارڈ الا قصّہ تو تمھیں بتا ہی دیا تھا۔ میں سمجھتی تھی، کہ معاملہ ختم ہوا۔ لیکن ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ نے ایک اور بھیانک قصّے کو شروع کر دیا ہے۔ ایک ایسا جال ہے جس میں میری زندگی اُلجھتی ہی جا رہی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔

میں نے رمیش بابو کو اس واقعہ کے متعلّق کچھ نہیں بتایا۔ لیکن ورما جی نے مجھے دھوکا دیا۔ وُہ شخص بذاتِ خود اُن کے پاس پہنچا۔ اور انھیں میرا وُہ خط دکھا دیا جو اس نے دھوکے سے مجھ سے لکھوا لیا تھا۔ اس وقت مجھے ذرّہ برابر شک نہیں تھا کہ مجھ سے دھوکا کیا جا رہا ہے۔ لیکن اب یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ رمیش بابو سے پیشتر میں ورما جی سے محبّت کرتی تھی اور میں نے ورما جی کو یہ لکھ کر اُن سے معافی مانگ لی ہے کہ چُونکہ میری شادی رمیش بابو سے

ہو رہی ہے اس لئے وہ گزشتہ باتوں کو بھول جائیں اور میرے خلاف کوئی بات نہ کہیں۔ یہ بات بالکل جھوٹ ہے۔ رمیش بابو پہلے میری باتوں پر یقین نہیں کرتے تھے لیکن جب ورما جی نے انھیں بھی بلیک میل کرنے کی کوشش کی تو وہ بھی حقائق سے روشناس ہو گئے وہ بدمعاش اُن سے بھی پیسے بٹور رہا ہے۔

ایک اور مصیبت یہ ہے کہ رمیش بابو کے مینجر نے میرے کالج کے زمانے کا ایک فوٹو نہ جانے کہاں سے حاصل کر لیا ہے۔ اس فوٹو میں مَیں کالج کے اور لڑکے کے ساتھ کھڑی ہوئی ہوں۔ اس کا نام ہے لے، پی کپور ـــ معلوم نہیں وہ آج کل کہاں ہے۔ لیکن ناگپال اور ورما دونوں نے سازش کرکے اس فوٹو کو غلط طور پر استعمال کرکے ہم دونوں کو بدنام کرنا شروع کر دیا ہے۔ کبھی یہ دھمکی دی جاتی ہے کہ وہ یہ فوٹو اخبار میں شائع کر دیں گے تو کبھی یہ کہا جاتا ہے، کہ رمیش بابو سے میری شادی کے موقع پر وہ فوٹو سمیت ساری داستان چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کرکے مجھے بدنام کریں گے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مصیبت سے کیسے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ ناگپال اور ورما تو بھوتوں کی طرح میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ کیا تم اُن سے بچنے کی کوئی ترکیب بتا سکتی ہو؟

تمھاری بہن
رتنا

شبلا خود بھی تو مصیبت زدہ تھی۔ رتنا کا خط پڑھ کر اُسے رونا آگیا۔ رتنا بے حد حسین لڑکی ہے۔ لاڈ پیار کے ماحول میں پل کر اُس نے کبھی کسی کے سامنے جھکنا

نہیں سیکھا، ہمیشہ دوسروں پر حکم ہی چلایا ہے۔ آج وہ بھی دُکھی ہے اور ایک ایسے جال میں پھنستی جا رہی ہے جس سے نکلنا اُسے مشکل دکھائی دے رہا ہے۔ لیکن یہ کیوں؟ وہ تعلیم یافتہ لڑکی ہے۔ ڈٹ جائے تو کوئی اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے؟ اگر رمیش کو اس کی محبت کی پاکیزگی پر یقین و اعتماد ہے تو دُنیا بھر کے لوگ جو چاہیں کہتے پھریں۔ رتنا کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

شیلا سوچنے لگی۔ لیکن کیا رمیش اور رتنا کی محبت واقعی سچی ہے؟ رمیش کو یہ بات معلوم نہیں لیکن کسی وقت رتنا نے ایک اور نوجوان سے بھی تو محبت کی تھی وہ راشٹریہ کالج کا ایک پروفیسر تھا۔ رتنا اس کی بہن کی سہیلی تھی۔ سہیلی اور رتنا کے میل جول نے ہی ایک دن پروفیسر اور رتنا کو ایک دوسرے کے نزدیک لا کھڑا کیا تھا۔ رتنا نے ایک دن خود ہی شیلا کو بتایا تھا، کہ وہ شادی کرے گی تو اسی شخص سے۔ وہ ایک دولتمند خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ شیلا نے ایک دو بار اُسے دیکھا بھی تھا۔ دونوں کئی بار ایک ہی موٹر میں گھومے۔ ایک ساتھ سینما اور تھیٹر میں گئے۔ اس وقت رتنا کہا کرتی تھی، کہ پروفیسر صاحب اُسے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے چاہتے ہیں۔ وہ ان کے ساتھ ولایت اور امریکہ جانے کے پروگرام بنایا کرتی تھی۔ ان کی تصویر کو بڑا سنبھال کر اپنے منی بیگ میں رکھتی تھی پھر اچانک وہ بمبئی چلے گئے، وہاں انھیں اچھی نوکری مل گئی تھی۔ وہ وہاں سے رتنا کو خط لکھتے رہے۔ لیکن رتنا رمیش بابو سے ایسی ملی کہ اس نے پروفیسر صاحب کو کھو دیا۔ پروفیسر صاحب کے خطوط کا جواب دینا بند کر دیا۔ اپنے پاس ان کے جو خط رکھے ہوئے تھے اُنھیں ایک دن شیلا کو دکھا کر کہنے لگی۔

"ایک ناول تیار ہو سکتا ہے شیلا دیدی! میں نے کئی ناول پڑھے ہیں لیکن یہ سب من گھڑت قصے ہیں۔ اگر ان خطوط کو پڑھ کر کوئی ناول نویس لکھنے

بیٹھ جائے تو ایک نہایت سنسنی خیز کتاب لکھی جا سکتی ہے۔"

ایک دن شیلا نے کہا تھا۔ "رتنا! کیا یہ اچھی بات ہے کہ ایک لڑکی ایک دن ایک نوجوان سے محبت کرے اور دوسرے دن دوسرے سے؟"

"اس میں کونسی بُری بات ہے"، رتنا نے ناک سکیڑ کر کہا تھا۔ "دل کی بات ہے یہ۔ میں نے محبت کی تھی، شادی تو نہیں کی تھی۔"

"تو تم اس کا مطلب یہ سمجھتی ہو، کہ شادی سے پیشتر کی ہوئی محبت دو دلوں کو آپس میں وابستہ نہیں کرتی؟"

رتنا ہنس پڑی تھی۔ اس نے کہا تھا، "ویسے تو میرا یقین ہے کہ اگر شادی کے بعد بھی عورت اور مرد کے دل نہ ملیں تو انہیں الگ ہو جانا چاہیئے۔ لیکن میں یہ بات نہیں کہہ رہی۔ رمیش بابو یقیناً پروفیسر صاحب سے زیادہ قابل ہیں۔ اس لئے میں نے پروفیسر صاحب کا خیال چھوڑ دیا ہے۔"

"اور اگر کل پرسوں ــــ یا کسی اور دن کوئی اور ایسا نوجوان مل گیا جو ان دونوں سے زیادہ بہتر دکھائی دے تو کیا تم رمیش بابو کو چھوڑ دو گی؟"

رتنا نے پھر ہنس کر کہا تھا۔ "پگلی کہیں کی! ــــ رمیش بابو سے اچھا نوجوان اس دنیا میں ہو ہی نہیں سکتا۔"

شیلا کچھ کہنا ہی چاہتی تھی، کہ رتنا نے پروفیسر صاحب کے خطوط پھاڑ کر ان میں آگ لگا دی۔ سنجیدہ لہجے میں کہنے لگی۔ "دیدی! اس کہانی کا یہیں اختتام ہو گیا۔ ان خطوط کو سنبھال کر رکھنا نہ تو میرے لئے ٹھیک تھا نہ ہی رمیش بابو کے لئے!"

اب پروفیسر صاحب کے فوٹو کی جگہ رمیش بابو کے فوٹو نے لے لی تھی اور رتنا نے رمیش بابو کی تعریف و توصیف کے گیت گانا شروع کر دیئے تھے۔

رتنا، شیلا کی سہیلی بن گئی تھی ۔ اس لئے اس کی بہت سی باتوں کو اچھا نہ سمجھ کر بھی وہ اس سے پیار کرتی تھی ۔ اس کا خط پڑھ کر اُسے شک تو ہوا کہ شاید کسی وقت اس طرحدار لڑکی نے اے ، پی کپور نامی کسی نوجوان کو بھی دل دے دیا ہو ۔ لیکن یہ محسوس کر کے کہ رتنا دکھی ہے وہ خود بھی اُداس ہو گئی ۔

شیلا نے خط کو دو تین بار پڑھا ۔ پھر اُسے لفافے میں رکھ کر ناول اُٹھا لیا اور اُسے پڑھنے لگی ۔

کروٹ بدل کر وہ لیٹ گئی تھی ۔ اس کی پیٹھ کمرے کے صدر دروازے کی جانب تھی ۔ باہر اب بھی بارش ہو رہی تھی ۔ کبھی کبھی بجلی چمکتی تو اس کی چمک کمرے میں بھی آجاتی ۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور کمرے کی کھڑکی کھل گئی ۔ شیلا کے تمام جسم میں کپکپی سی دوڑ گئی ۔ وہ اُٹھی ۔ کھڑکی بند کی اور پھر لحاف اوڑھ کر لیٹ رہی ۔ نیند نہیں آرہی تھی اس لئے پھر ناول پڑھنے لگی ۔

اچانک اُسے ایسا لگا جیسے برآمدے میں کوئی آہستہ آہستہ قدم اُٹھا کر چل رہا ہو ۔ وہ کانپ اُٹھی ۔ پھر اُسے دل کا وہم سمجھ کر اُس نے کمرے میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی ۔ کوئی بھی تو نہیں تھا ۔ برابر کے کمرے سے اُس کے سسر کے کھانسنے کی آواز آئی ۔ شیلا نے اطمینان کا سانس لیا اور پھر ناول پڑھنے لگی ۔

کچھ دیر تک کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہوئی ۔ ناول پڑھتے پڑھتے اس کی آنکھوں کے سامنے ناول کی ہیروئن اچلا کی تصویر رقص کرنے لگی ۔ ایک نوجوان حسینہ ، پتلی سی ، خوبصورت سی لڑکی ایک غریب طالب علم تہم سے محبت کرتی ہے ۔ تہم سریتش کا دوست ہے ۔ وہ نہیں چاہتا کہ وہ برا ہمن خاندان کی لڑکی اچلا سے شادی کرے ۔ تہم پر اس کا جادو نہیں چلتا تو وہ اچلا کے باپ کو سمجھانے لگتا ہے لیکن تہم کو بچاتے بچاتے خود اچلا سے محبت کرنے لگتا ہے ۔

اس کی شادی بھی ہو جاتی، لیکن ضدّی اور تند مزاج سریش ذرا سی بات پر ناراض ہو کر بھاگ نکلتا ہے اور اس کی غیر حاضری میں فہم اور اچلا کی شادی ہو جاتی ہے۔ سریش کو معلوم ہو جاتا ہے وہ اپنے دوست کی عزّت کرتا ہے، لیکن اچلا اس کی کمزوری بن جاتی ہے۔ اُسے دھوکے سے بھگا کر لے جاتا ہے لیکن ایک دن اچلا اُسے اپنی رُوح پر، اپنے ضمیر پر ناقابلِ برداشت بوجھ دکھائی دیتی ہے۔ وُہ اُسے چھوڑ دینا چاہتا ہے۔ اچلا، جس نے سریش سے کبھی محبّت نہیں کی تھی، اب پریشان ہو کر اُس سے پوچھتی ہے "کیا تم اب مجھ سے محبّت نہیں کرتے؟" بے یار و مددگار اچلا نہیں چاہتی، کہ سریش اُسے تنہا چھوڑ کر چلا جائے لیکن وُہ بھاگ نکلتا ہے۔ جب اچلا اسے ملتی ہے، تو وُہ زندگی کے آخری سانس لے رہا ہوتا ہے۔ اور اس کے سامنے اچلا کو اپنا خاوند فہم کھڑا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

ناول ایک کہانی ہی تو ہے لیکن شیلا کو یوں لگا جیسے اچلا درحقیقت ایک زندہ لڑکی ہو۔ گویا وُہ بذاتِ خود اُس کے سامنے کھڑی ہو گئی ہو، اور شیلا سے پُوچھ رہی ہو "بتاؤ! مجھے کس سے محبّت تھی، سریش سے، یا فہم سے؟" اگر ایک خاوند کے ہوتے ہوئے اُس نے کسی وقت بھی سریش سے محبّت کی ہو تو کیا یہ فریب نہیں؟"

اور شیلا کو یوں لگا گویا اس کا مرحوم خاوند اشوک زندہ ہو کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا ہو۔ پُوچھ رہا ہو — "شیلا! تم نے تو شادی کے وقت اگنی دیوتا کے سامنے قسم کھائی تھی کہ میں تمہارے علاوہ کسی شخص سے خواب میں بھی محبّت نہیں کروں گی۔ مر کر بھی ہم ایک ہی رہیں گے۔ پھر میری موت کے بعد تم نے اپنے آپ کو ایک اور شخص کے حوالے کیوں کر دیا؟ تمہاری یہ حالت دیکھ کر

میں دُکھی ہو رہا ہوں - ایک نہ ایک دن تم سے بدلہ لے کر رہوں گا "

یہ صرف ایک خیال ہی تھا کیا ؟ وہ خواب تو نہیں دیکھ رہی تھی ؟ باہر زور سے بارش ہو رہی تھی - بجلی زور سے کڑکی - شیلا کا دل لرز اُٹھا - کمرے کی روشنی یکایک گُل ہو گئی - شاید بجلی فیل ہو گئی تھی - پیچھے سے دروازہ کھلنے کی آواز آئی - ہوا کے ایک تیز جھونکے کے لمس سے اس کا سارا جسم کانپ اُٹھا - وہ دروازہ بند کرنے کے لئے مُڑ کر اُٹھی تو ایک خوفناک شکل کو دیکھ کر کانپ اُٹھی - اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے —— اس کا مرحوم خاوند —— اس کا بھوت اُس کے سامنے کھڑا تھا -

شیلا کا سر چکرا گیا - اس کی ٹانگیں لڑکھڑا گئیں - وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی -

سات

اُس دن ناگپال نے اوشا سے بہت دیر تک باتیں کر کے اسے پریشان کر دیا تھا —— اوشا، ناگپال سے نفرت کرتی تھی - اُس کی ہر ایک بات سے اُسے شرارت اور چالاکی دکھائی دیتی تھی - اس لئے ناگپال جب کبھی اس سے باتیں کرنے کی کوشش کرتا، وہ ٹال مٹول سے کام لینے لگتی -

ایک دن شام کو وہ بہت دیر تک ریسٹوران میں بیٹھا رہا - اوشا بھانپ گئی اُسے شک ہوا کہ ناگپال اس سے بات چیت کے لئے موقعہ کی تلاش میں ہے، وہ چپکے سے منیجر کے کمرے میں سے ہو کر باہر نکل گئی - سوچتی تھی، کہ آخر ناگپال چاہتا کیا ہے ؟ جو شخص اپنے مالک کا وفادار نہیں، وہ اوشا کی بھلائی کی بات کیونکر سوچ سکتا ہے ؟ پھر بھی ایک دن ناگپال سے اس کی مڈبھیڑ ہو ہی گئی - وہ اپنے بھائی کے لئے ایک دوا خریدنے کے لئے آئی تھی - ناگپال بھی اسی کیمسٹ کی دکان پر کچھ خرید رہا تھا -

اوشا جو دوا خریدنا چاہتی تھی وہ یہاں نہیں ملی۔ اس سے پہلے وہ کئی اور دکانوں کے چکر کاٹ چکی تھی۔ پریشان ہو کر اُس نے کہا: "ڈاکٹر صاحب! تو کہاں جاؤں ــ؟ کسی دوسری دکان سے بھی تو دوا نہیں ملتی۔"

ڈاکٹر نے کہا: "ہمیں خود مشکل پیش آ رہی ہے۔ کریں بھی تو کیا کریں؟ مجبوراً خریداروں کو کورا جواب دینا پڑتا ہے۔"

اُوشا کو اُداس دیکھ کر ناگپال نے کہا: "میرے ساتھ چلیئے۔ کہیں نہ کہیں سے دوا مل ہی جائے گی۔"

اوشا پریشان تھی۔ وہ اس کے ساتھ جانے کے لیئے آمادہ ہو گئی۔

رمیش بابو کی کار باہر کھڑی تھی۔ ناگپال اُسے خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ چند لمحے وہ خاموش رہا۔ پھر اُس نے اُوشا سے اس کے بھائی کے متعلق پوچھنا شروع کر دیا۔ پھر اپنے اصل موضوع پر آگیا۔

کہنے لگا۔

"رمیش بابو کی رتنا تو اپنے بچھائے ہوئے جال میں خود ہی پھنس گئی۔ لیکن رمیش بابو کو ابھی تک ہوش نہیں آیا۔"

اوشا خاموش رہی، وُہ ان باتوں کو پسند نہیں کرتی تھی۔

ناگپال نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکالا اور اُوشا کے حوالے کرتے ہوئے کہا "یہ دیکھو! سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

اُوشا جھنجلا اُٹھی۔ لیکن اس نے لفافہ کھول لیا، چونک پڑی وہ! ایک تصویر تھی، رتنا اور ایک نوجوان کی۔

ناگپال نے اُوشا کی طرف دیکھ کر کہا: "دیکھ لی دیوی جی کی کرتوت؟"

اُوشا کچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن ناگپال نے اُسے موقع نہیں دیا۔

خود ہی کہنے لگا۔

"یہ ایک پروفیسر صاحب کا فوٹو ہے۔ رمیش بابو کو اپنے جال میں پھانسنے سے پہلے رتنا نے اِس پنچھی کا شکار کیا تھا۔ اپنی محبّت کا ثبوت دینے کے لئے اس کے ساتھ فوٹو کھنچوایا تھا"

"لیکن یہ فوٹو آپ کو کیسے ملا؟"

"اجی، یہ تو ایک فوٹو ہے۔ ہمارے پاس اس چھوکری کے کئی اور فوٹو بھی ہیں۔ اس نے اپنی مسکراہٹوں سے کتنے ہی نوجوانوں کو پھانسا اور اس کی زندگی تباہ کر دی۔ رمیش بابو کو سب کچھ پتہ ہے پھر بھی رتنا کے جال میں پھنسے جا رہے ہیں"

پھر کہنے لگا۔

"آج کل ایک اخبار نویس سے پوشیدہ طور پر محبّت کی پینگیں بڑھا رہی ہے اُسے اپنے گلے کا قیمتی ہار دیا ہے، اس کے ساتھ گھومتی پھرتی ہے، اور اُسے محبّت نامے بھی لکھتی ہے"

"اور رمیش بابو ....؟"

"رمیش بابو سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بنے ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں اُن پر رتنا نے کیا جادو کر رکھا ہے، کہ رمیش بابو اُس پر لٹو ہوتے جا رہے ہیں۔ کہتے ہیں، کہ کچھ بھی ہو، رتنا سے شادی کریں گے"

"تو یہ بات ہے!" اُوشا نے آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں!" ناگپال نے کہا۔ "رتنا کے لئے پانی کی طرح روپیہ بہا رہے ہیں —— کاروبار چوپٹ ہو رہا ہے اس کی انھیں کوئی پرواہ نہیں۔ جس اخبار نویس سے رتنا پوشیدہ طور پر محبّت کرتی ہے اُسے اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے طرح طرح کی سازشیں کر رہے ہیں۔ اُس کا منہ بند کرنے کے لئے اب تک تین ہزار روپے خرچ

کر چکے ہیں ۔"

"بہت بُری بات ہے ۔" اُوشا نے کہا ۔" اگر رتنا اس وقت کسی اخبار نویس سے محبّت کرتی ہے تو وہ رمیش بابو سے واضح الفاظ میں کہہ کیوں نہیں دیتی ؟ اُنھیں اندھیرے میں کیوں رکھ رہی ہے ؟"

"آج کل کی آوارہ چھوکریوں کو یہی عادت ہے ۔" ناگپال نے کہا ۔" اس قسم کی لڑکیاں کبھی ایک شخص سے مطمئن نہیں ہوتیں ۔ وہ نت نئے شکار کرتی ہیں ۔ ایک ساتھ کئی اشخاص کو محبّت کا لالچ دے کر بے وقوف بناتی ہیں ۔"

اوشا کچھ سمجھ نہ سکی ۔ اُس کے لئے یہ سب ایک گورکھ دھندا تھا ۔ وہ سوچنے لگی ۔ ممکن ہے یہ سب ایک من گھڑت کہانی ہو ۔ آج کل ایسے بوگس فوٹو تیار کر لینا کوئی دشوار یا ناممکن بات نہیں ۔ پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ناگپال نے کسی پرائیویٹ فوٹو کی مدد سے یہ جعل سازی کی ہو ۔ اِس قسم کے آدمی سے یہ سب کچھ ممکن ہے ۔

اُسے خاموش دیکھ کر ناگپال نے کہا ۔" آج کل رمیش بابو بہت پریشان ہیں ۔ اور اُن کی پریشانی سے کئی لوگ فائدہ اُٹھا رہے ہیں ۔"

"آپ کو بھی کچھ فائدہ ہوا یا نہیں ؟" اُوشا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا ۔

ناگپال نے ہنس کر کہا ۔" چاہوں تو بہت کچھ ہو سکتا ہے لیکن طبیعت نہیں مانتی ۔"

"لیکن مجھے تو معلوم ہوا ہے کہ آپ نے بھی اُن سے ..."

وہ جملہ پورا نہیں کر سکی ۔ ناگپال نے بات کاٹ کر کہا ۔" یہ سب جھوٹ ہے ۔ آپ کو کس نے بتایا ؟ ... رمیش بابو سے بات چیت ہوئی ہے کیا ... ؟"

"جی نہیں ۔" اوشا نے دل کی بات چھپاتے ہوئے کہا ۔" میری اُن سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی ۔ میں نے تو یوں ہی آپ سے مذاق کیا تھا کہ شاید آپ نے بھی ہاتھ رنگے ہوں ۔ جس شخص کو اتنی باتیں معلوم ہوں وہ کیوں نہ ..."

"فائدہ اُٹھلئے ؟" ناگپال نے جملہ پُورا کرتے ہوئے کہا۔" فائدہ تو اُٹھایا جاسکتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ اپنا کوئی ساتھی نہیں جو ہاتھ بٹائے۔"

اُوشا نے ہنس کر کہا۔" آپ تو خود ہی ماہر ہیں، آپ کو کسی ساتھی کی کیا ضرورت ہے ؟"

وُہ بھی ہنس پڑا اور کہنے لگا۔" مِس اُوشا! اگر تم میرے ساتھ مل جاؤ تو میرا کام بھی بن سکتا ہے اور تمھاری خواہشات بھی پُوری ہو سکتی ہیں۔"

اوشا جھینپ گئی۔ شرم و حیا سے اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ کہنے لگی۔

"مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں!"

ناگپال نے اُس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ کہنے لگا۔" یہ بات مجھے بتانے کی ضرورت نہیں مس اُوشا! میں جانتا ہوں کہ تمھیں رمیش بابو سے محبت ہے اور وُہ رتنا کی وجہ سے تم سے نفرت کرتے ہیں۔"

اُوشا جھنجلا اُٹھی۔

کہنے لگی۔" یہ سب جھوٹ ہے۔ رمیش بابو کس سے محبت کرتے ہیں اور کس سے نفرت، اس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔"

ناگپال شرمندہ ہوگیا۔ اُسے اوشا سے اس جواب کی اُمید نہیں تھی۔ اپنی شرمندگی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"چھوڑیئے ان باتوں کو ـــــ مجھ سے غلطی ہوگئی، کہ رمیش بابو کی باتیں بتاکر آپ کو پریشان کر دیا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ میرا ساتھ دیں تو رمیش بابو کو بیوقوف بناکر کافی مال بٹورا جا سکتا ہے۔"

اوشا کو ناگپال کی باتوں سے نفرت ہو رہی تھی۔ کوئی جواب نہ دیتے ہوئے

اس نے بات کو ٹال دینے کے لئے کہا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟ کیمسٹ کی دکان کہاں ہے؟"

ناگپال نے چونک کر کہا۔" اوہ! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ باتوں میں ایسا الجھا، کہ دوکان تو پیچھے ہی رہ گئی۔"

اس نے گاڑی روک لی اور اُسے پیچھے موڑنے لگا۔

اوشا نے کہا۔ "آپ اس کی تکلیف نہ کریں۔ میں یہیں اُتر جاتی ہوں۔ دکان کا پتہ بتا دیجئے۔ میں پیدل ہی وہاں چلی جاؤں گی۔"

ناگپال دل ہی دل میں شرمندہ ہو رہا تھا۔ اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ گاڑی کو موڑ کر پھر کیمسٹ کی دکان کی طرف جانے لگا۔ اوشا کہتی ہی رہ گئی لیکن اُس نے کوئی دھیان نہیں دیا۔

تھوڑی دُور ایک دُکان کے سامنے گاڑی کو روک کر کہنے لگا "لائیے۔ میں دوا لے آتا ہوں۔"

اُوشا خود ہی باہر نکل آئی۔ اور دکان میں داخل ہو گئی۔ ناگپال اس کے پیچھے پیچھے دکان میں داخل ہو گیا۔

واپسی پر وہ اکیلے ہی جانا چاہتی تھی۔ لیکن ناگپال نے ضد کی اور اُسے گاڑی پر اس کے گھر چھوڑ آیا۔ راستے میں اُس نے اوشا سے اس موضوع پر کوئی بات چیت نہیں کی۔

ایک بجھی سی آگ کی چنگاری پھر دھڑک اُٹھی تھی۔ ناگپال کو شاید خود بھی معلوم نہیں تھا۔ کہ اس کی باتوں کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ اُوشا اُداس ہو گئی۔ بھائی کی بیماری سے پہلے ہی پریشان تھی ناگپال کی اس بات نے اُسے اور بھی دُکھی کر دیا، کہ ہمیشہ بابو اس سے نفرت کرتے ہیں۔

وہ سوچنے لگی۔

میں نے رمیش بابو سے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے انھوں نے یہ سمجھا ہو کہ رتنا کے ساتھ ہی ایک اور لڑکی اُنھیں چاہتی ہے۔ پھر مجھ سے حقارت کی باتیں کیوں؟ میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے کہ وہ میرے متعلق ایسے جذبات رکھتے ہیں۔ کیا اس لیئے کہ وہ یتیم ہے؟ ایک غریب خاندان سے تعلّق رکھتی ہے اور رتنا کی طرح اس کے جسم کا رنگ گورا نہیں؟

سوچتے سوچتے اس کا دماغ چکرانے لگا۔

اُس رات، اُس نے ایک بھیانک خواب دیکھا۔ وہ ایک وسیع سمندر میں ایک جہاز پر سفر کر رہی تھی۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ جہاز کدھر جا رہا ہے اور اس کی منزل کہاں ہے۔ جہاز میں اس نے دیکھا کہ اس کے جسم کی رنگت بدل گئی ہے، اس کا رنگ گورا ہو گیا ہے اُس نے یورپین لباس پہنا ہوا ہے اور کیبن پر کھڑی ہوئی ستار بجا رہی ہے۔ اس کی سحر انگیز موسیقی سننے کے لیئے مسافر باہر نکل نکل کر اُس کے نزدیک آنے لگے، اُن میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی۔ اُس نے چونک کر دیکھا، ان میں رمیش بابو بھی تھے اُن کا رنگ کالا پڑ گیا تھا۔ عورتوں میں اُسے رتنا کہیں بھی دکھائی نہیں دی۔

موسیقی ختم ہوئی تو سب لوگوں نے اس کی تعریف و توصیف کی۔ پھر وہ لوٹنے لگے۔ رمیش بابو وہیں کھڑے رہے۔ جب سب لوگ چلے گئے تو وہ اس کے اور بھی قریب آگئے اور بولے۔

"تم نے مجھ سے دور رہنے کی بہت کوشش کی، لیکن میں نے تمھیں تلاش کر ہی لیا۔"

وہ کہنے لگی۔ "رتنا کو اپنے ساتھ نہیں لائے کیا؟"

"نہیں۔" رمیش نے کہا۔ "مجھے اس سے نفرت ہے۔ میں اُس کی شکل تک دیکھنا

نہیں چاہتا۔ وہ بھاگ گئی ہے ناگپال کے ساتھ۔"

"ناگپال کے ساتھ؟" اوشا نے متعجب ہو کر کہا۔" وہ تو آپ سے محبت کرتی تھی۔"

" وہ صرف ایک فریب تھا۔" رمیش بابو نے کہا۔" مجھے اپنے جال میں پھانس کر میرے کاروبار پہ قبضہ کرنے کا جال بچھایا تھا اس نے۔ لیکن پوشیدہ طور پہ وہ ناگپال سے محبت کرتی تھی۔ دونوں اندر سے آپس میں ملے ہوئے تھے۔"

"لیکن ناگپال نے تو مجھے بتایا تھا، کہ وہ رتنا سے نفرت کرتا ہے۔"

"یہ سب جھوٹ تھا۔ مجھے دھوکا دے کر میرے کاروبار پہ اس نے قبضہ کر لیا اور ناگپال سے شادی کر لی۔

رمیش بابو اس کے اور بھی نزدیک آ گئے۔ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر دوسرے ہاتھ میں اس کا ہاتھ لے کر کہنے لگے۔

"اوشا! مجھے تم سے محبت ہے۔ تمہارے لئے ہی تو بھاگ کر آیا ہوں۔"

رمیش بابو کے چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا۔ لیکن پھر بھی اوشا کو اس سے نفرت نہیں ہوئی۔ رمیش بابو اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔

کہنے لگے ۔۔۔ "اوشا! کوئی سحر انگیز موسیقی سناؤ۔ جو میری اداسی کو دور کر دے۔"

وہ مسکرا دی۔

موسیقی کی لہریں فضا میں پھر گونجنے لگیں۔

رمیش بابو جھوم رہے تھے۔

پھر دونوں تاروں بھری رات میں، ہاتھ میں ہاتھ لئے ناچتے رہے ۔۔۔ ناچتے ناچتے رمیش بابو نے اسے سینے سے لگا کر چوم لیا۔

لیکن یہ کیا ؟
اُس نے اچانک دیکھا تو وہ رمیش نہیں، ناگپال تھا۔
اُوشا اُس سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگنے لگی۔
اب ناگپال اس کا تعاقب کر رہا تھا۔
بھاگتے بھاگتے وہ ایک سرے پر پہنچ گئی۔ جہاں سے کہیں بھی جانے کے لئے راستہ نہیں تھا۔
تاریک رات میں سمندر کی خوفناک لہریں اُچھل اُچھل کر اس کی طرف بڑھ رہی تھیں۔
دوسری طرف ناگپال اُس کے پاس آکر اُسے دبوچ لینا چاہتا تھا۔
اُس نے اچھل کر سمندر میں چھلانگ لگا دی۔
ایک چیخ گونجی، اور سمندر کی بھیانک لہروں نے اُسے اپنی آغوش میں لے لیا۔
اُوشا کی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں گھُپ اندھیرا چھایا ہوا تھا ـــــ اُسے آواز آئی ـــــ
اُوشا پانی دو ـــ مجھے پیاس لگ رہی ہے۔"
یہ اس کے بھائی کی آواز تھی۔
اوشا کانپتی ہوئی اُٹھی۔ بجلی کا بٹن دبایا۔ کمرہ روشن ہو گیا۔ بھائی کی پیشانی پر آئے ہوئے پسینے کو صاف کر کے، وہ اس کے لئے پانی لینے رسوئی گھر میں چلی گئی۔
آتش دان پر رکھے ہوئے ایک شیشے پر اچانک ہی اس کی نگاہ پڑ گئی۔ اُس کا رنگ آج بھی کالا تھا۔
وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

آٹھ

رتنا چونک پڑی!

رات کو دیر سے لوٹی تھی۔ اُسے ایسی آواز آئی جیسے کوئی چلّا کر "بھوت بھوت" کہہ رہا ہو۔ یوں لگا جیسے شیلا ہی باہر کھڑی پکار رہی ہو۔

اس کی آنکھ کھلی تو دن کافی چڑھ آیا تھا۔ اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ شیلا ہی اس کے سامنے کھڑی تھی۔

آنکھیں ملتے ہوئے رتنا بولی۔

"کیوں؟ کیا پھر بھوت دکھائی دیا ہے تمہیں؟"

اس کا چہرہ اُداس تھا۔ چارپائی پر بیٹھ کر کہنے لگی۔

"نہیں ــــ مجھے کوئی بھوت دکھائی نہیں دیا۔ اور مستقبل میں اس کے دکھائی دینے کا کوئی خدشہ بھی نہیں رہا۔ لیکن میں ایک اور کام سے آج ابھی ابھی دہرہ دون سے آئی ہوں۔"

"ابھی ابھی آئی ہو؟"

"ہاں! ــــ اپنے گھر بھی نہیں گئی۔" شیلا نے کہا۔ "سیدھی یہیں آئی ہوں۔"

رتنا بستر سے اُٹھی۔ لحاف سے اپنے آپ کو ڈھانپ کر شیلا پر کمبل ڈالتے ہوئے اُس نے کہا۔

"ٹھیک طریقے سے بیٹھ جاؤ ــــ سردی بہت ہے ــــ میں تو لحاف میں بھی کانپ رہی ہوں۔"

پھر اونچی آواز میں نوکر کو ناشتے کا حکم دے کر شیلا سے بولی۔ "پریشان کیوں دکھائی دے رہی ہو؟ کیا کسی سے جھگڑا ہو گیا ہے؟"

شیلا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

کہنے لگی۔

"میرے سسر جی گرفتار ہو گئے ہیں۔"

"تمھارے سسر گرفتار ہو گئے ہیں؟" رتنا نے چونک کر پوچھا۔ "کیوں؟ کیا بات ہو گئی ــــ؟ وہ تو نہایت شریف اور خوش اخلاق آدمی ہیں۔"

"ان پر قتل کا الزام ہے۔" شیلا نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "انھوں نے خون کر دیا ہے۔"

"خون کر دیا ہے؟" رتنا نے چونک کر کہا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

شیلا نے کہا۔ "ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں۔ انھوں نے میرے لئے خون کیا ہے، وہ بے گناہ ہیں، پھر بھی پولیس انھیں پکڑ کر لے گئی ہے۔"

رتنا کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔

"لیکن کس کا خون کیا ہے؟"

"اپنے بیٹے کا!"

"اپنے بیٹے کا؟" رتنا نے اس کے جملے کو دہراتے ہوئے کہا۔ "کیا کہہ رہی ہو تم؟ دماغ خراب تو نہیں ہو گیا ہے تمھارا؟ ــــ ان کا بیٹا تو اسی رات مارا گیا تھا جب وہ تمھیں بیوی بنا کر گھر لایا تھا۔"

شیلا رو کر بولی۔

"یہ بات نہیں ہے بہن!"

"تو کیا ان کا کوئی اور بیٹا بھی تھا؟"

"نہیں! — یہ ان کا اکلوتا بیٹا ہی تھا... میرا پہلا خاوند جس سے میری ...."
وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

رتنا کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ کہنے لگی۔" بھوت کے خواب دیکھ کر تمھارا دماغ پاگل ہوگیا ہے۔ تمھارے خاوند کی تو موت ہوگئی تھی۔ تم نے کئی بار اس کا بھوت دیکھا تھا۔"

شیلا نے روتے روتے کہا۔
"نہیں بہن! وہ بھوت نہیں تھا۔ وہ خود تھے۔ وہ مرے نہیں، زندہ تھے۔ اب اپنے باپ کی گولی کا نشانہ بن گئے ہیں۔"
رتنا لرز اٹھی۔

اگر اشوک کی موت نہیں ہوئی تھی، تو شیلا کی شادی کے بعد کس کی موت ہوئی تھی۔ اگر اشوک زندہ تھا، تو اس کے باپ نے شیلا کی شادی دوبارہ کس طرح کردی؟

یہ سب باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھیں۔ سوچنے لگی، یقیناً اس لڑکی کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ وہ اٹھ کر شیلا کے آنسو پونچھنے لگی۔ اُسے ڈھارس دینے لگی۔

شیلا پاگل نہیں تھی، اُس کا دماغ خراب نہیں ہوگیا تھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ سچ تھا۔ خود کو سنبھال کر اس نے آہستہ آہستہ سب کچھ بتادیا۔
اشوک ڈاکو تھا، قاتل تھا، اُس نے کئی خون کئے تھے۔ کئی ڈاکے ڈالے تھے، لیکن پولیس اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی تھی۔ کیونکہ وہ کوئی ثبوت نہیں چھوڑتا تھا باپ کو سب کچھ معلوم تھا۔ وہ اسے سمجھاتا، لیکن اشوک نے جس راستے پر قدم رکھے تھے اس سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ باپ نے اشوک کی شادی کی، تو

اس لئے کہ شاید گھر گرہستی کی ذمہ داریاں اور بیوی کی محبت اُسے راہِ راست
پر لے آئے۔ لیکن اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اُس نے پھر ڈاکہ ڈالا۔ دو
ساتھی تھے۔ ایک گاڑی کے حادثہ میں مارا گیا۔ لیکن اشوک بچ گیا۔ باپ نہیں
چاہتا تھا کہ اشوک کی بیوی کو معلوم ہو کہ وہ ایک ڈاکو اور قاتل کی بیوی ہے
اور اس کی وجہ سے وہ بھی پولیس کے ہاتھوں پریشان ہوتی پھرے۔ اسی لئے
انھوں نے پولیس کو کہہ دیا، اور شیلا کو بھی، کہ مرنے والا اشوک ہی تھا۔ شیلا
کے سسر کو اُمید تھی، کہ اب اشوک کبھی واپس نہیں آئے گا۔ انھوں نے چُپکے سے
شیلا کی دوبارہ شادی کر دی۔

لیکن اشوک سے یہ بات چھپی نہ رہ سکی۔ وُہ باپ کو پریشان کرنے لگا۔
باپ روپے پیسے سے اُس کا مُنہ بند کرتا رہا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ شیلا کو کچھ
معلوم ہو۔ یا اشوک شیلا کو پریشان کرے۔ لیکن اشوک شیلا کو پریشان اور
اس کی زندگی کو تباہ کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔ ڈاکہ کے ایک کیس میں پولیس نے
اس کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر رکھے تھے اس لئے وُہ بھیس بدل کر آتا تھا،
وہ شیلا کو موت کے گھاٹ اُتار دینا چاہتا تھا۔ لیکن وُہ کامیاب نہ ہوا۔ شیلا
اُسے اشوک کا بھوت سمجھتی رہی۔ اب اشوک کو معلوم ہوا کہ شیلا جالندھر میں
ہے تو وُہ وہاں بھی پہنچا۔ لیکن وہاں بھی کامیاب نہ ہوا۔ اب وہ دہرہ دون آیا
تھا۔ اس نے باپ کو دھمکی دی تھی، کہ اگر وُہ شیلا کو اس کے حوالے نہیں کریگا
تو دونوں کو گولی سے اُڑا دے گا۔

اُس دن وُہ شیلا کو اغوا کرنے کے لئے آیا تھا۔ شیلا نے اُسے بھوت سمجھا
اور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ شیلا کا سسر دوڑا آیا، اور اس نے بہو کی حفاظت
کے لئے اپنے بیٹے کا خون کر دیا۔ اور خود ہی پولیس میں رپورٹ درج کرائی —

پولیس نے شیلا کے سسر کو گرفتار کر لیا ہے، اور اب اس پر قتل کے الزام میں مقدمہ چلے گا۔ شیلا اسی لئے آئی تھی، کہ اپنے سسر کے لئے رتنا کی امداد سے کوئی وکیل کرے۔

یہ باتیں سن کر رتنا کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ چند لمحے خاموش رہی پھر کہنے لگی۔

"یہ سب کچھ ایک ناول سا معلوم ہوتا ہے۔ انسان کے من گھڑت ناول اور تخئیلی کہانیاں کئی پڑھی ہیں، لیکن آج معلوم ہوا کہ زندگی کے کئی واقعات اگر لکھے جائیں تو ان سے کئی سنسنی خیز ناول لکھے جا سکتے ہیں؛"

ناشتہ بہت دیر سے آیا میز پر پڑا ہوا تھا۔ کسی نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ رتنا نے نوکر کو آواز دے کر حکم دیا، کہ وہ چائے کو دوبارہ گرم کرے پھر ناشتے کی ایک پلیٹ شیلا کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے کہا۔

"جب تک اسے شروع کرو ــــ قتل تو ہوا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ کوئی جج تمہارے سسر کو پھانسی کی سزا نہیں دے گا۔ وہ یا تو سرے سے ہی رہا ہو جائینگے یا ایک دو ماہ بعد باہر آ جائیں گے!"

"مجھے یقین نہیں آتا۔" شیلا نے کہا۔ اور وہ پھر رونے لگی۔

رتنا نے اسے دلاسہ دیا۔ سمجھانے لگی۔ وہ آج ہی رمیش بابو سے کہہ کر اس کے سسر کے لئے کسی اچھے وکیل کا بندوبست کرے گی۔ وہ جانتی ہے کہ ایسے مقدموں میں نہ تو پھانسی کی سزا ہوتی ہے، نہ ہی لمبی قید کی۔ اس لئے شیلا کو گھبرانا نہیں چاہیئے۔

کچھ دیر بعد جب ناشتہ ہو چکا تو رتنا نے کہا۔ "شیلا! اب مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ...."

وہ مسکرا دی۔

شیلا نے کہا "کیا بات ہے؟ کس بات کا خدشہ ہے؟"

"یہی کہ اشوک کا بھوت اب ہم دونوں کو پریشان کرے گا۔"

"میں نہیں مانتی۔" شیلا نے کہا "بھوت کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ زندہ اشخاص ہی دوسروں کو پریشان کرتے ہیں۔ مر کر کوئی بھی کسی زندہ شخص کو پریشان نہیں کرتا!"

رتنا اُداس ہو گئی۔ ناگپال اور ورما جی کی طرف اس کا دھیان چلا گیا۔ کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے سنجیدہ لہجہ میں اُس نے کہا۔

"ٹھیک ہی تو ہے بہن! تم ٹھیک ہی کہتی ہو۔ زندہ اشخاص اپنی خود غرضی کے لئے دوسروں کی زندگی تباہ کر دینا چاہتے ہیں۔ مرنے کے بعد شاید رُوحوں میں خود غرضی کا کوئی جذبہ باقی نہیں رہ جاتا۔"

شیلا اس کا مطلب کچھ نہیں سمجھ سکی۔ اُسے کیا معلوم کہ وہ جس لڑکی سے باتیں کر رہی ہے اس کا دل کس قدر ستم زدہ ہے۔ اُس کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔

نو

رمیش بابو بہت تھک گئے تھے۔

ہوٹل میں واپس آئے تو ڈیڑھ بج چکا تھا۔ بوٹ اُتار کر کوٹ پتلون پہنے ہی چارپائی پر لیٹ گئے۔

ہوٹل کے نیچے چائے کی ایک دکان اب بھی کھلی تھی۔ چند لمحے پہلے اس کے اونگھتے ہوئے مالک کو چائے کا آرڈر دے کر وہ اوپر آ گئے تھے۔

رتنا نے اپنا کوٹ اُتارا اور ساڑھی تبدیل کرنے لگی، کہ رمیش نے کہا ——

"اگر تکلیف نہ ہو تو میم صاحبہ اِدھر آجائیں۔"

"میم صاحبہ" کا لفظ سن کر رتنا کا دل جھوم جھوم اُٹھا تھا۔ لیکن بظاہر بگڑ کر کہنے لگی۔

"دیکھئے صاحب! ہمارے لئے اس لفظ کا استعمال نہ کیا کیجئے۔"

"کیوں میم صاحبہ!" رمیش بابو نے سر اُونچا کر کے کہا۔ "آپ کو اس لفظ سے چڑ کیوں ہو رہی ہے؟"

وہ جھنجھلا کر بولی ——"میم وہ ہوتی ہے جو شادی شدہ عورت ہو، اور آپ جانتے ہیں کہ میں . . . ."

"میں ابھی کنواری ہی ہوں۔" رمیش بابو نے فقرہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ "تو تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں کماری جی کہا کروں؟"

"نہیں —— مجھے یہ لفظ بھی پسند نہیں۔" وہ مسکراہٹ کو روکتے ہوئے بولی

"تو آپ کو رانی جی کہوں؟"

"نہیں" کہہ کر اُن کی چارپائی پر اُن سے لگ کر بیٹھتے ہوئے بولی —— "آپ مجھے صرف رتنا کہا کریں۔"

"لیکن ہم تو 'رتن' کہا کریں گے۔"

وہ مسکرائی۔

رمیش نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "بولو! —— منظور ہے؟ یا اِس پر بھی اعتراض ہے؟"

وہ مسکرا کر بیٹھے بیٹھے اُن پر جھک گئی۔ رمیش بابو نے اپنی باہیں اس

کے گرد ڈال دیں۔ اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگے۔
"دیکھا ــ سچی محبت یہ ہوتی ہے۔ شاہجہاں اور ممتاز محل کی وفات ہوئے سینکڑوں سال ہو گئے۔ لیکن آج بھی لوگ ان کی یادگار دیکھتے ہیں تو ان کی لاثانی محبت کا ذکر کئے بغیر نہیں رہتے۔"
"تو کیا آپ کو مجھ پہ یقین نہیں؟" رتنا نے قدرے بگڑ کر کہا۔
"یہ بات نہیں۔" رمیش بابو نے کہا "مجھے تم پر مکمل اعتماد ہے لیکن دشمنوں کی وجہ سے تم جب کبھی کبھی گھبرانے لگ جاتی ہو تو میں پریشان ہو جاتا ہوں۔"
وہ کہنے لگی۔ "وہ تو ہے ہی! آپ مرد ہیں اور میں ایک عورت! آپ کے بارے میں کوئی بات کرے تو آپ کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ مرد ہو کر آپ اس کا مقابلہ بھی کر سکتے ہیں، لیکن میں تو ایک عورت ہوں۔ میری بدنامی میری زندگی کو تباہ کر سکتی ہے۔ کسی کو منہ نہیں دکھا سکتی۔"
رمیش بابو نے اس کے ایک ہاتھ کو چوم لیا۔ اور اسے اپنے سینے سے لگا کر کہنے لگے۔
"پگلی کہیں کی! میرے ہوتے ہوئے بھی تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے کیا؟"
یہ کہہ کر اُٹھے اور اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ نکال کر بولے "میدان سر کر لیا۔ ایسی بات تھی، کہ میں نے دانستہ تمہیں دلی میں نہیں بتائی فیصلہ کیا تھا کہ آگرے میں ہی بتاؤں گا۔"
رتنا پوچھنے لگی تھی، کہ یہاں ہنسی کے پٹارے میں کیا رکھا ہے کہ رمیش بابو نے خود ہی لفافہ اس کے ہاتھوں میں دے دیا۔
رتنا نے اُسے کھولا۔ وہ حیران رہ گئی۔ اس میں دو فوٹو تھے۔ ایک میں وہ پروفیسر صاحب کے ساتھ تھی۔ اور دوسرے میں کپور صاحب کے ساتھ۔ اور پھر وہ

خط بھی تھا جو رتنا نے ڈرتے ڈرتے ورما جی کے کہنے پر لکھ دیا تھا اور ایک جال میں پھنس گئی تھی۔

رتنا سنگِ مرمر کے مجسّمے کی طرح خاموش تھی۔ اس کے مُنہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔

رمیش بابو نے کہا۔

"انھیں پھاڑ کر جلادو۔ اب ان کی وجہ سے تمھیں کوئی بھی شخص شرمندہ یا بے عزّت نہ کرسکے گا۔"

رتنا پھر بھی کچھ نہ بولی۔ گُم سُم ہی بیٹھی رہی۔

چائے والے نے باہر سے کمرے کا دروازہ کھٹ کھٹایا۔ رتنا کو وہیں چھوڑ کر رمیش بابو اُٹھے۔ دروازہ کھولا اور چائے کی ٹرے لے لی۔

چائے والا چلا گیا، تو اندر سے دروازہ بند کر کے چارپائی پر رتنا کے سامنے بیٹھتے ہوئے انھوں نے کہا۔

"جانتی ہو، یہ سب کچھ کیونکر میرے ہاتھ لگا؟"

"نہیں۔"

رمیش بابو کہنے لگے۔

"جانتی ہو نا؟ اس مریل سی کالی سی لڑکی کو؟ — میرا مطلب ہے اوشا سے — وہی جو ہمارے گیرج کے سامنے ریستوران میں کلرک کا کام کرتی ہے، — یہ اُسی لڑکی کا کارنامہ ہے۔"

رتنا کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہنے لگی۔

"اُس لڑکی کو یہ سب باتیں کیسے معلوم ہوگئیں — یہ چیزیں اس کے ہاتھ کیونکر لگ گئیں؟"

رمیش بابو نے چائے تیار کر کے ایک پیالی رتنا کی طرف بڑھاتے ہوئے
کہا۔ "چائے پی لو پھر بتاؤں گا۔"
انکار کرتے کرتے بھی اُسے چائے پینا پڑی۔
رمیش بابو نے کوٹ اُتارا۔ کپڑے تبدیل کیے۔ اور پھر چارپائی پر لیٹ کر
لحاف اوڑھتے ہوئے کہنے لگے۔
"بڑی بہادر لڑکی ہے۔ اُسے انعام ملنا چاہیئے۔"
پھر کہنے لگے،
"اُس نے ایک دن مجھ سے ناگپال کو باتیں کرتے سُن لیا۔ ناگپال مجھے
بلیک میل کر رہا تھا۔ پھر ایک دن ناگپال نے اوشا کو اپنے ساتھ ملا کر ہم سے روپیہ
بٹورنے کا فیصلہ کیا۔ اوشا نے صاف انکار کر دیا۔ لیکن پھر نہ جانے کیوں ایک
دن اُس کے دل میں کیا بات آئی، کہ وہ ناگپال سے ملی۔ کہنے لگی —— مجھے
روپے سے دلچسپی نہیں، میں رمیش سے بدلہ لینا چاہتی ہوں۔ اُس نے مجھے ٹھکرا کر
میری توہین کی ہے۔"
"توہین!" رتنا نے گھبرا کر کہا۔ "آپ نے کب اس کی توہین کی ہے؟ اُسے
کب ٹھکرایا ہے؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اوشا آپ سے محبّت کرتی تھی۔"
"نہیں!" رمیش بابو نے کہا۔ "وہ بے چاری مجھ سے کیا محبّت کرے گی ——
ایسی بات تو کبھی ہوئی ہی نہیں۔ وہ ایک معمولی سی لڑکی ہے —— شاید اس نے آج
تک کسی سے بھی محبّت نہیں کی —— بات اتنی سی ہوئی، کہ ناگپال نے اُسے
بھڑکانے کے لئے یوں ہی کہہ دیا تھا کہ رمیش اُسے کالی سمجھ کر اس سے نفرت
کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں تھی۔ دراصل ناگپال اُسے بیوقوف
بنا کر اُسے خراب کرنا چاہتا تھا —— پہلے تو وہ اس کے دھوکے میں نہیں آئی

پھر یہ سوچ کر کہ ناگپال دو بے قصور زندگیوں کو تباہ کر دینا چاہتا ہے، خود ہی ناگپال سے ملی۔ ناگپال کی تجویز یہ تھی، کہ اوشا کسی دن موقع پا کر تنہائی میں مجھ سے ملے، اور پھر شور مچا دے کہ رمیش نے اُس کی عزّت پر حملہ کیا ہے۔ پھر ناگپال اور ورما جی پہنچ جائیں۔ اور مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کریں۔ اوشا نے یہ بات پہلے مجھے نہیں بتائی تھی۔ اس نے ناگپال پر اپنا اعتماد قائم کر لیا۔ ایک دن دونوں سینما گئے۔ ناگپال کے بیگ میں یہ فوٹو اور تمہارا خط پڑا تھا۔ اوشا نے موقع پا کر چالاکی سے بیگ ہی غائب کر لیا۔ اور اُسے میرے حوالے کر دیا۔ یہ دو دن پہلے کی بات ہے۔"

رتنا نے خوش ہو کر کہا۔

"پھر تو اوشا کو یقیناً انعام ملنا چاہیئے۔"

رمیش بابو نے سنجیدہ لہجہ میں کہا۔ "انعام تو میں بھی دینا چاہتا تھا، لیکن وہ عجیب لڑکی ہے، اس نے انکار کر دیا۔ کہنے لگی —— میں نے جو کچھ کیا ہے وہ انسانیت کے ناطے اپنا فرض سمجھ کر کیا۔ انعام دے کر مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش نہ کیجئے۔"

"بڑی عجیب لڑکی ہے!" رتنا نے رمیش بابو کی تائید کرتے ہوئے کہا "میں ہوتی تو کبھی انکار نہ کرتی۔ بلکہ کچھ اور بھی مانگ لیتی۔"

"کیا......؟"

"میں ہوتی تو آپ ہی کو مانگ لیتی!"

دونوں مسکرا دیئے۔

رمیش بابو نے کہا۔ "اگر وہ مجھے —— میری محبت کو مانگ لیتی۔ تو تم کہاں جاتیں؟ کیا کرتیں؟"

رتنا نے رمیش بابو کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور اُن کی چھاتی سے اپنا سر لگا کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگی۔

"میں تو کسی قیمت پر بھی آپ کو کسی کے حوالے نہ کرتی۔ نہ جانے کتنے جنم کی تپسیا کے بعد اِس جنم میں آپ ملے ہیں۔ اب آپ کو کیسے گنوا سکتی ہوں؟"

"سچ؟"

اس نے سر جھکا لیا اور رمیش بابو کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر منہ سے لگا لیا —

آج ہی دوپہر کو رتنا اور رمیش دلی سے کار پر آئے تھے۔ دلی سے باہر وہ پہلی بار ہی آئے تھے۔ اور پہلی بار ہی ایک ہوٹل میں ایک ساتھ ٹھہرے تھے۔ رتنا نے اس کی تجویز پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ لیکن رمیش یہاں آکر بھی جھجک رہا تھا۔ وہ خود ہی اُسے اپنی کار پر یہاں لایا تھا۔ لیکن اُسے دیکھنے والے ہر شخص سے ڈر لگ رہا تھا۔ شاید کوئی اُنھیں پہچان کر سکنڈل نہ کھڑا کر دے۔

دونوں چند لمحے اسی طرح رہے۔ دونوں ایک دوسرے کے دل کی دھڑکنوں کو محسوس کر رہے تھے۔ راہِ محبت پر چلنے والی دو ہستیاں جذبات کی رَو میں بہہ رہی تھیں۔ تنہائی کی ملاقات اور اس طرح کی آزادی جنھیں حاصل ہو جائے وہ اپنے آپ کو خوش قسمت کیوں نہ سمجھیں؟ اس ماحول میں بہت کم لوگ اپنے آپ پر قابو پا سکتے ہیں۔

محبت کا دیوتا بے قرار ہو گیا۔

کچھ دیر بعد رمیش نے کہا "میم صاحبہ! ایک بات پوچھوں!"

رتنا نے کوئی اعتراض ظاہر نہیں کیا۔

شادی کا منڈپ کسی نے نہیں بنایا تھا۔ دولہا دُلہن کو ایک دوسرے کے

ساتھ بٹھا کر منتر نہیں پڑھے گئے۔ کسی نے جوڑے پر پھولوں کی بارش نہیں کی،
لیکن باہر آسمان میں پورنما کی چاندنی میں بھی ایک ستارہ ٹوٹ گیا تھا۔

رتنا نے کہا۔ "کہیے۔ آپ کی کیا خدمت کروں؟"

اُس کے بات چیت کے انداز میں تبدیلی دیکھ کر جو شخص اس کا اسرار جان گیا
تھا اس نے اس کے جسم کو گدگداتے ہوئے کہا۔

"رتنا! تم تو اتنی جلدی سمجھدار بن گئی ہو۔"

"چھوڑیئے بھی!" کہہ کر وہ اُٹھی اور دُوسرے کمرے میں چلی گئی۔ کمرے کے
اندر داخل ہو کر اُس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

رمیش نے دو تین آوازیں دیں، لیکن رتنا نے جواب نہیں دیا۔ اس نے
اتنی رات گئے دروازہ کھٹکھٹانا مناسب نہیں سمجھا ——— بجلی کا بٹن
دبا کر سو گیا۔

دس

ناگپال نے رمیش بابو کا خط پھاڑ کر ٹکڑے کر دیا۔ کرسی سے اُٹھتے ہوئے
اُس نے کہا۔

"آپ مجھے نوکری سے ہٹا سکتے ہیں لیکن میری آواز کو دبا نہیں سکتے۔"

رمیش بابو نے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔

"وہ دن گئے جب خلیل خاں فاختہ اُڑاتے تھے۔ میں تم جیسے بدمعاشوں
کے ہوش ٹھکانے لگانا اچھی طرح جانتا ہوں۔"

ناگپال باہر جاتے جاتے رُک گیا۔ کہنے لگا ——— "بدمعاش کون ہے؟

میں یا آپ ؟"

"اِس کا جواب اپنے آپ سے پُوچھو" رمیش بابو نے کہا" جو شخص اپنے مالک کو دھوکا دے اُسے کیا کہنا چاہیئے ؟"

"میں نے کوئی دھوکا نہیں دیا۔" ناگپال نے کہا۔ "آپ غلط راستے پر چل رہے تھے۔ میں نے سمجھانے کی کوشش کی۔"

"یا تم نے مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کی ؟"

"ہرگز نہیں !" ناگپال نے کہا۔ "آپ نے اپنی کمزوریوں کو چھپانے کے لئے روپے سے میرا مُنہ بند کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ اس لئے مجھے نوکری سے جواب دے دیا۔ میں اس کا بدلہ لے کر رہوں گا۔"

رمیش بابو نے سگریٹ کو ایش ٹرے میں رکھتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں ـــــ لیکن جن کاغذات پر تمھیں غرور تھا وہ جل چکے ہیں تم جس فوٹو کو غلط طور پر استعمال کرنا چاہتے تھے وہ بھی جل چکا ہے۔"

ناگپال نے سنجیدہ لہجہ میں کہا "مجھے سب کچھ معلُوم ہے۔ اوشا کو روپے سے خرید کر، اُسے شادی کا جھانسہ دے کر تم نے یہ سب کچھ حاصل کر لیا۔ لیکن تمھیں شاید معلُوم نہیں، کہ تمھیں کس سے واسطہ پڑا ہے۔ ناگپال ہار جانے والا شخص نہیں رتنا کے ساتھ تمھارا فوٹو شائع کر کے تمھاری کرتوتوں کا بھانڈا نہ پھوڑا تو میرا نام ناگپال نہیں !"

رمیش بابو جھنجلا اُٹھے۔ ناگپال اب بھی شرارت پر تُلا ہوا تھا۔ انھوں نے کہا

"بدمعاش ! ـــــ کمینے !! ـــــ تمھیں ایسا کرنے سے پہلے ہی میں نے جیل نہ بھجوا دیا تو میرا نام رمیش نہیں ـــــ گیرج کے حساب میں تم نے کئی ماہ سے جو گڑبڑ کر رکھی ہے وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں۔"

میرے جیل جانے سے پہلے تم اور رتنا تباہ ہو جاؤ گے۔ یہ بھی یاد رکھنا!"
یہ کہہ کر پھنکارہ مارتا ہوا ناگپال باہر نکل گیا۔

رتنا کے فوٹو اور خط پھاڑ کر جلا دینے کے بعد رمیش بابو کو ناگپال سے کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ آستین کے سانپ کو زیادہ ڈھیل نہ دی جائے۔ اس لئے انھوں نے ناگپال کا کانٹا اپنی راہ سے نکال دینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ ایسے شخص کا کیا پتہ کہ کس وقت پیٹھ میں چھرا بھونک دے۔

ناگپال خاموش بیٹھنے والا شخص نہیں۔ اس لئے پہلے تو انھوں نے اوستا کو ہوشیار کیا۔ اُسے کہہ دیا، کہ اُن کی موٹر روزانہ گھر سے ریستوران اور ریستوران سے گھر تک پہنچایا کرے گی۔ اس کے بعد انھوں نے رتنا کو سمجھایا۔ اُسے کہا کہ وہ جہاں تک ہو سکے اکیلی کہیں نہ جائے۔ اور کسی غیر متعارف شخص سے نہ تو ملاقات کرے نہ ہی بات چیت کرے۔ پھر انھوں نے اپنے حساب کے کاغذات ایک وکیل کو دے کر کہا کہ وہ ناگپال پر مقدمہ چلانے کی تیاریاں کرے۔

دن گذرنے لگے۔

رتنا اور رمیش کا میل جول کم نہ ہوا، بڑھتا ہی گیا۔ اس کے پتا کا ایک خط آیا تھا، انھوں نے لکھا تھا، کہ وہ ایک ماہ تک دلی آجائیں گے۔ وہ اس کے بڑے بھائی کے لئے ایک ڈاکٹر کی بیٹی کو پسند کر چکے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ بیٹے کی شادی کے ساتھ ہی بیٹی کے ہاتھ بھی پیلے کر دیں۔

رمیش نے مسکرا کر کہا۔ "انھیں تو ہمارے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔ اسلئے انھوں نے تمہارے لئے کسی اور سے بات کرلی تو....؟"

"یہ نہیں ہو سکتا!" رتنا نے کہا۔ "میرے پتا جی مجھ سے مشورہ کئے بغیر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کریں گے۔ میں انھیں صاف صاف کہہ دوں گی۔"

"کیا کہو گی ؟"

"یہ کیوں بتاؤں ؟" سنجیدہ لہجہ میں کہہ کر وہ دوسرے لمحے ہی مسکرا دی۔

"تم نہیں بتاؤ گی تو میں بتاؤں گا"۔ رمیش بابو نے کہا۔

"آپ کیا بتا دیں گے ؟"

"یہ کیوں بتا دوں ؟" کہہ کر اس کے ساتھ صوفہ پر بیٹھ گئے۔

وہ ایک طرف سرک کر کہنے لگی۔ "بے شک نہ بتانا ــــــ اس میں آپ کا ہی نقصان ہوگا۔"

"میرا کیوں نقصان ہوگا ؟"

رمیش بابو رتنا کے نزدیک کھسک کر آ گئے۔

"نہ بتانے سے آپ کی شادی کالی لڑکی سے ہو جائے گی"۔

"اور تم ۔۔۔۔ ؟"

"میں ۔۔۔۔ میں ۔۔۔۔"

"پروفیسر صاحب سے شادی کر لوں گی"۔

رتنا ناراض ہو گئی۔ اٹھنے کی کوشش کر کے کہنے لگی۔

"یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی کیا ؟ ــــــ آپ کے ہوتے ہوئے میں کسی دوسرے آدمی کا خیال بھی اپنے ذہن میں نہیں لا سکتی۔"

رمیش نے اسے پکڑ کر سینے سے لگا لیا اور بولا۔ "تو کیا تم سمجھتی ہو کہ میں تمہیں چھوڑ کر کسی اور لڑکی سے محبت کر سکتا ہوں ؟"

رتنا نے ایک جھٹکے سے اپنے آپ کو چھڑا لیا۔ کہنے لگی۔ "اگر میں ہاتھ نہ آؤں تو ــــ ؟"

رمیش بابو اٹھے اسے پکڑنے کے لئے۔ وہ مسکراتی ہوئی بھاگی لیکن

بھاگ کر جاتی کہاں؟ ــــــ رمیش بابو نے اسے کونے میں دبوچ لیا۔

وہ بیٹھ گئی۔

رمیش بابو نے اُسے دونوں ہاتھوں میں اُٹھا لیا، اور صوفے پر ڈال کر بیٹھ گئے، اور کہنے لگے۔

"تم کہیں نہیں بھاگ سکتیں۔ دُنیا کے کسی کونے میں چلی جاؤ، وہاں سے بھی پکڑ کے لے آؤں گا۔"

وہ اُسے گدگدانے لگے۔

وہ کھلکھلا رہی تھی، کہنے لگی۔

"اب چھوڑو بھی ــــ ہم دونوں کو دنیا کی کوئی طاقت ایک دوسرے سے الگ نہیں کر سکتی۔ اب اُٹھنے دیجیے۔ آپ کے لئے چائے بناتی ہوں۔"

"نہیں، اسی طرح لیٹی رہو۔" رمیش بابو نے اُس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔

رتنا ہلی نہیں، اُس نے اپنا ہاتھ رمیش بابو کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

کئی دن اور بیت گئے۔

...

رتنا کے پتا جی کے آنے میں دو ہفتے باقی رہ گئے تھے۔ انھوں نے دو اور خط لکھے تھے۔ ایک میں اپنے ہونے والی بہو کے پتا جی کا پتہ لکھا تھا۔ وہ ناگپور میں پریکٹس کرتے تھے۔ رتنا کے پتا جی نے لکھا تھا، کہ وہ بمبئی سے ہوائی جہاز پر دلّی آئیں گے۔ راستے میں ڈاکٹر صاحب بھی مل جائیں گے۔ رتنا کو بہو کے واسطے اچھی اچھی ساڑھیاں خریدنے کے لئے انھوں نے لکھا تھا۔

رتنا جنھیں پتا جی کہا کرتی تھی وہ اصل میں اس کے چچا تھے۔ ان کے لڑکے

کے ساتھ وہ بمبئی میں کھیلی تھی۔ اس لئے وہ اسے اپنا بھائی کہا کرتی تھی۔ وہ بھی اُسے بہن ہی کہا کرتا تھا۔

پتا جی کے آنے کے بعد شاید شادی سے پہلے رتنا اور رمیش آپس میں اس طرح آزادی سے نہ مل سکیں۔ اس لئے انھوں نے اُن کے آنے سے پہلے دو تین دن کے لئے مسوری کی سیر کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔

مسوری میں دوپہر کو وہ ہوٹل سے کچھ دُور ایک سنسان سے پارک میں بیٹھے آپس میں تاش کھیل رہے تھے۔ کہ اچانک انھوں نے دیکھا کہ ناگپال کیمرہ لئے اُن کی طرف بڑھ رہا ہے۔ دونوں چونک پڑے۔ ناگپال اُن کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ پانچ سات گز پر رُک کر کیمرے کو کھولتے ہوئے اُس نے کہا۔

"اب کہاں بچ کر جاؤ گے؟"

رمیش بابو نے اُٹھ کر غصہ میں کہا۔ "کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"تم دونوں کا فوٹو لوں گا اور اخبار میں شائع کراؤں گا!"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔" رمیش نے چلّا کر کہا۔

"تم کون ہو روکنے والے؟" ناگپال نے کہا۔ "میں پریس فوٹو گرافر ہوں، اگر تم کوئی گناہ نہیں کر رہے ہو تو گھبراتے کیوں ہو؟"

وہ فوٹو کھینچنے لگا۔

رمیش نے پستول نکال لیا۔ رتنا چلّائی۔ ناگپال، رتنا کی طرف دوڑا۔ رمیش نے گولی چلا دی۔ ناگپال زور سے چلّایا۔ "بچاؤ۔" رمیش نے ایک اور گولی چلا دی۔ اور ناگپال ٹھنڈا ہو گیا۔

رمیش کو اب ہوش آیا تھا۔ اپنے سامنے خون میں لت پت لاش کو

دیکھ کر وُہ کانپ اُٹھا۔ وُہ گولی چلانا نہیں چاہتا تھا، صرف اُسے خوف زدہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ناگپال کو رتنا کا پیچھا کرتے دیکھ کر وہ اپنے آپ پر قابو نہیں پا سکا تھا۔

"اَب کیا ہوگا؟"

رتنا ایک طرف کھڑی کانپ رہی تھی۔ رمیش بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن کہاں جائے گا۔

اچانک اُس نے دیکھا اُوشا کو تیزی سے اپنی طرف آتے ہوئے — اس نے رتنا سے کہا۔

"بھاگ جاؤ بہن!"

"تم کہاں؟"

رمیش اتنا ہی کہہ سکا تھا، کہ گولی کی آواز سُن کر ہوٹل کی طرف سے کئی لوگ بھاگتے ہوئے اُدھر آتے دکھائی دیئے۔

اُوشا نے کہا: "رتنا غائب ہو جاؤ — نہیں تو تمھاری بدنامی ہوگی۔ تم بھی گرفتار کر لی جاؤ گی!"

وہ دھیرے دھیرے ہٹ رہی تھی۔ پھر تیزی سے پہاڑی کے پیچھے چلی گئی۔

چند لمحوں کے بعد کئی لوگ جمع ہو گئے۔

پھر پولیس بھی آگئی۔

رمیش اور اُوشا کو گرفتار کر لیا گیا۔

گیارہ

تین دن بعد اوشا رہا ہو گئی۔ لیکن رمیش بابو کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔ اور پھر ایک ہفتے کے بعد رمیش کے خلاف ناگپال کے قتل کے الزام میں مقدمہ شروع ہو گیا۔

اوشا نے رتنا اور اس کے خاندان کو بدنامی سے بچا لیا تھا۔ اس نے عدالت میں بیان دیا:

"رمیش بابو سے میں محبت کرتی تھی۔ ہم دونوں ایک ہی کالج میں پڑھتے تھے۔ ہماری محبت وہاں سے ہی شروع ہوئی۔ ہم نے شادی کا فیصلہ کیا تھا۔ سیر کرنے کے لئے یہاں آئے۔ ناگپال ہمارا پیچھا کر رہا تھا۔ اس نے میری عزت پر ہاتھ ڈالنے کی پہلے بھی کئی بار کوشش کی تھی۔ اس لئے رمیش بابو نے اسے نوکری سے الگ کر دیا تھا۔ یہاں آ کر ناگپال نے پھر وہی حرکت کرنے کی کوشش کی۔ اس پر جھگڑا ہو گیا۔ اور رمیش بابو نے مجھے بچانے اور ناگپال کو خوف زدہ کرنے کے لئے گولیاں چلائیں۔ ان سے ناگپال کی موت واقع ہو گئی۔"

رتنا عدالت میں نہیں آئی تھی۔ آتی بھی کیسے؟ اوشا نے اسے روک جو دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اس سے شاید بھید کھل جائے۔

رمیش کو دس سال قید کا حکم ملا۔ اس نے ہائی کورٹ میں اپیل کی، سزا گھٹ کر سات سال رہ گئی۔

ایک دن اُوشا اُس سے ملنے کے لئے جیل گئی۔ رمیش کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ کہنے لگا۔

"کس مُنہ سے شکریہ ادا کروں؟ —— اوشا تم عورت نہیں، دیوی ہو، تم نے مجھے بچا لیا"

اوشا کچھ نہیں بولی۔

رمیش نے کہا —— "سات سال سات سَو سال دکھائی دیتے ہیں، جانے کیونکر کٹیں گے"

اوشا کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

کہنے لگی۔

"رمیش بابو! —— بہادر آدمی گھبرایا نہیں کرتے۔ پرماتما کا نام لیجئے، اس پر بھروسہ رکھیئے۔ یہ مصیبت بھی کٹ جائے گی"

رمیش بابو نے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک کہتی ہو اُوشا —— پریشان ہونے سے کیا ہو سکتا ہے۔ مجھے اپنی فکر نہیں —— سوچتا ہوں، کہ رتنا کا کیا بنے گا، وہ عورت ہے، سات لمبے سال کیسے گزارے گی؟"

اوشا نے ایک گہرا سانس لیا۔

چند لمحے خاموش رہ کر کہنے لگی۔

"رمیش بابو! —— رتنا ہر وقت آپ کو یاد کرتی ہے۔ آنے کے لئے ضد کر رہی تھی۔ لیکن میں نے ہی روک دیا۔ بے چاری پر لوگ انگلیاں اُٹھائیں گے —— بڑی مشکل سے روکا —— آپ کو خط لکھے گی، اس کا جواب یقیناً دینا، ورنہ بے چاری کا بُرا حال ہو گا۔"

رمیش بابو کی آنکھوں سے پھر آنسو جاری ہو گئے۔

... ...

دن، ہفتے اور مہینے بیتنے لگے۔

اوشا کی نوکری تو اسی دن چھوٹ گئی تھی، جب اس کی گرفتاری کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔ گلی، محلّے میں بدنام ہو گئی تھی بے چاری! رمیش بابو کی ماں بھی اس سے کچھ دن نفرت کرتی رہی۔ لیکن جب اُسے حقائق کا پتہ لگا تو اس نے اوشا کو سینے سے لگا لیا۔

اُوشا نے اپنا مکان تبدیل کر لیا تھا۔ اپنا نام بدل کر وہ رمیش نگر میں چلی گئی ـــــ ایک سال بعد وہ راجندر نگر میں آ گئی۔ خاموشی سے کچھ ٹیوشنیں کر کے اپنا گذارہ کرنے لگی۔ رمیش بابو کی ماں نے اُسے امداد دینے کی بہت کوشش کی لیکن اس نے ایک پائی بھی نہیں لی۔

جیل میں رمیش بابو کو رتنا کے خط باقاعدہ آتے رہے۔ اس کے خطوط سے یوں لگتا تھا جیسے اس کی زندگی میں اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا ہے۔ کئی بار وہ رمیش بابو کو یاد کرتے کرتے بے ہوش ہو جاتی تھی۔ کبھی رمیش بابو اپنے خط میں اُسے دلاسہ دیتے اور کبھی وہ انھیں لکھتی، کہ وہ ہمّت سے کام لیں۔ ایک خط میں اُس نے لکھا:

"میں وعدہ کر چکی ہوں، میں نے بھگوان کو گواہ بنا کر عہد کیا ہے کہ آپ کے علاوہ اور کسی سے محبّت نہیں کر سکتی۔ آپ میرے پتی ہیں۔ آپ میرے لئے قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہے ہیں۔ میرے لئے بھی یہ زندگی ایک قید بنی ہوئی ہے۔ میں اُس دن کا انتظار کر رہی ہوں۔ جب آپ رہا ہو کر آئیں گے

اور مجھے سینے سے لگالیں گے۔"

رتنا نے لکھا تھا، کہ اُس نے کوٹھی بدل لی ہے۔ پہلی کوٹھی اس کے چاچا نے خرید لی ہے اور وہ پٹیل نگر میں چلی گئی ہے۔ وہاں وُہ اکیلی ہی رہتی ہے۔ اکیلی ہونے کی وجہ سے اُس کا دل نہیں لگتا۔ اس لئے اس کا خیال ہے کہ پھر کالج میں داخل ہوجائے۔

رمیش نے لکھا تھا:-

"میری اچھی رتنا!

تمہارا انتظار بہت دشوار ہے۔ میں نے تو خون کیا ہے اسلئے مجھے تو سزا بھگتنی ہی چاہیئے۔ لیکن تم تو بلا وجہ ہی سزا کاٹ رہی ہو، تم نے کوئی جُرم نہیں کیا۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی پرماتما تمہیں یہ سزا کیوں دے رہا ہے رات دن پاگلوں کی طرح سوچتا ہی رہتا ہوں۔ پرماتما کی باتوں کو سمجھنا کتنا مشکل ہے۔

تم نے مکان کیوں چھوڑ دیا؟ تمہیں چاچا کے پاس ہی رہنا چاہیئے تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ رہ کر تمہارا دل لگا رہتا خیر! تم نے اچھا کیا، کہ کالج میں داخل ہوگئیں۔ میں دن رات تمہارے لئے پرماتما سے دُعا کروں گا، کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔"

ایک دن اُوشا رمیش کی ماں کے ساتھ اس سے ملنے کے لئے جیل میں آئی۔ اوشا کے ہاتھ میں ایک گلدستہ تھا، کہنے لگی:

"یہ رتنا جی نے بھیجا ہے۔ اور ہاں! اُنہوں نے آپ کے لئے مٹھائی بھی

بھیجی ہے۔"

رمیش بابو نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔" رتنا کی ذہنی حالت کیسی ہے؟ وہ پریشان تو نہیں ؟"

ماں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگی۔

" بیٹا ! تمہارے قید میں ہوتے ہوئے ہم میں سے کسی کی ذہنی حالت کیسی ہو سکتی ہے اس کا اندازہ کرنا تمہارے لئے مشکل نہیں ہو سکتا۔ رتنا کبھی کبھی ہمارے گھر آ جاتی ہے اور کبھی میں اس کے پاس چلی جاتی ہوں۔"

ماں کچھ دیر کے بعد لوٹنے لگی تو رمیش نے اوشا کو روک لیا۔ کہنے لگا۔

" تم نے مجھ پر بڑے احسانات کئے ہیں۔ ان کا بوجھ دس جنم لے کر بھی اُتار نہیں سکتا۔ ایک گذارش ہے، ماں سے نہیں کہہ سکتا، تم سے کہہ رہا ہوں۔"

" کہئیے !" اوشا نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

" کیا ایک بار رتنا کو یہاں نہیں لایا جا سکتا ؟ میں اُسے جی بھر کر دیکھ لینا چاہتا ہوں۔"

اوشا کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ لیکن رمیش بابو اُسے بھانپ نہیں سکے ____

وہ کہنے لگی۔

" ماں جی نے ہی روک دیا تھا۔ نہیں تو وہ تو آج بھی آنے کے لئے ضد کر رہی تھی ___!"

" ماں کو ساتھ لئے بغیر ہی تم کسی دن اُسے یہاں لے آؤ۔"

اوشا کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر رمیش بابو نے کہا۔" کیوں ؟___ تم کیوں

اُداس ہو"۔

"نہیں تو": اُوشا نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تمھاری آنکھوں میں آنسو کیوں آ گئے ہیں؟" رمیش بابو نے پھر پوچھا۔

"نہیں تو — کوئی بات بھی تو نہیں" کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہی۔ پھر کہنے لگی۔

"آپ سے ایک بات پوشیدہ رکھی تھی، سوچتی تھی، کہ آپ سُنیں گے تو پریشان ہوں گے"

رمیش بابو نے گھبرا کر پوچھا "کیا بات ہے؟"

"رنتا پندرہ دن لگاتار بیمار رہی ہے" اوشا نے کہا "اب وہ ٹھیک تو ہے، لیکن بہت کمزور ہو گئی ہے، اِسی لئے میں نے اُسے یہاں آنے سے روک دیا تھا"

"تو یہ بات ہے" رمیش بابو نے کہا "تم نے ٹھیک کیا" ابھی اُسے یہاں لانے کی ضرورت نہیں۔ پھر کبھی آ جائے گی۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا، کہ اس نے اپنے کسی خط میں اپنی بیماری کا حال کیوں نہیں لکھا۔"

"ہم نے ہی اُسے روک دیا تھا" اوشا نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔" اور وہ خود بھی تو سمجھدار ہے۔ نکلتی، تو آپ بیکار پریشان ہوتے۔ ہم لوگ آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتے۔ تو پریشان کیوں کریں"

رمیش بابو خاموش رہے۔ لیکن اُن کے چہرے سے بخوبی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ دل ہی دل میں کس قدر پریشان ہیں۔

اوشا نے ہاتھ جوڑ کر کہا "لیکن ماں جی کو یہ نہ بتانا، نہیں تو وہ مجھ سے ناراض ہوں گی۔"

رمیش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہاتھ جوڑ دیئے۔ خاموشی سے ہی نمستے کر دی!

اوشا چلی گئی۔

رمیش بابو جیل کی سلاخوں کے پیچھے کھڑے اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔

پھر انھوں نے ایک گہرا سانس لیا اور پیچھے ہٹ گئے۔ جیل کا گارڈ انھیں ان کی کوٹھڑی میں واپس لے جانے کے لیے آ گیا تھا۔

ایک دن رتنا کا خط آیا۔ خط میں اس کا ایک پرانا فوٹو تھا۔ جسے شاید نگیٹو سے دوبارہ تیار کیا گیا تھا۔ فوٹو کے نیچے "آپ کی رتنا" لکھا ہوا تھا۔ رمیش بابو نے اُسے سینے سے لگا لیا۔

رتنا نے لکھا تھا:

"کل پورنما کی رات تھی۔ سارے ماحول پر سفید چاندنی چھائی ہوئی تھی۔ چھت پر تنہا لیٹی ہوئی میں گھنٹوں چاند کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی رہی۔ ایسا لگتا تھا، کہ تم چاند میں بیٹھ کر مسکرا رہے ہو۔

رمیش بابو! میں پورنما کی اس رات کو بھول نہیں سکتی جب ہم دونوں کار پر سوار ہو کر تاج دیکھنے کے لیے گئے تھے۔ یاد ہے تاج کی چھت پر چاند کو دیکھتے ہوئے تم نے میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ میرے جسم میں بجلی کی سی لہر دوڑ گئی تھی وصل کی وہ گھڑیاں گذرے ہوئے ایک زندگی بیت گئی — کل پورنما کے اُسی چاند کو دیکھ کر مجھے ان لمحات کی یاد آ رہی تھی جب

ہم نے ایک دوسرے کے دل کی دھڑکنوں کو محسوس کیا تھا ـــــ
اچانک مجھے ایسا لگا، جیسے ہم دونوں تاج کے باغ میں کدم کے
پرانے درخت کے سائے تلے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میرا سر تمہارے
سینے سے لگا ہوا ہے اور تم ایک سحر انگیز گیت گا رہے ہو لیکن
یہ خواب ہی تو تھا۔ آنکھ کھلی، تو نہ تم تھے، نہ ہی کدم کا درخت
آسمان پر بے رحم چاند میری پریشان کُن حالت پہ مسکرا رہا تھا۔

رمیش بابو! ـــ پورنما کی کتنی ہی چاندنی راتیں تمہارے
انتظار میں اکیلے بیت چکی ہیں۔ معلوم نہیں، جدائی کی یہ گھڑیاں
کب ختم ہو گئیں۔

اوشا مجھے اکثر ملتی رہتی ہے، اُسی سے معلوم ہوا کہ آپ
میرے لئے اُداس رہتے ہیں۔ میرے بس کی بات ہو تو پر لگا کر
آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔ لیکن ماتا جی کا کہنا ہے کہ ابھی آپ
کے پاس جانا نہیں چاہیئے۔"

رتنا نے اور بھی کئی باتیں لکھی تھیں۔ اس نے لکھا تھا، کہ ورما صاحب پھر شرارت
کر رہے ہیں۔ اس لئے ماں جی کے حکم کے مطابق وہ زیادہ تر کہیں باہر نہیں جاتی۔ ایک
اور خط میں اس نے کامنی کا ذکر کیا تھا۔ وہ اس کے بھائی کی بیوی تھی ـــ وہ اس
پر مزاح کے چھینٹے ڈالتی ہے۔ بڑی شرارتی ہے۔ ولایت جانے کی تیاریاں کر رہے
ہیں وہ لوگ۔ اور ایک دن وہ ان کے ساتھ رمیش بابو سے ملنے آئے گی۔

رمیش بابو نے بار بار رتنا کا خط پڑھا۔ اس کے فوٹو کو سامنے رکھ کر بڑی
دیر تک دیکھتے رہے۔ وہی سنگ مرمر کی مورتی تھی وہ! اس کے ہونٹوں پہ وہی میٹھی
میٹھی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ سڈول جسم اور معصوم پیاری پیاری آنکھیں۔ انہیں

یوں لگا جیسے وُہ ان کے سامنے کھڑی ہوئی آنکھوں میں آنکھیں ملا کر دیکھ رہی ہو، کہہ رہی ہو، جنم جنم سے تمھارا انتظار کر رہی ہوں۔ رمیش بابو! تم کب آؤ گے؟"

رمیش بابو کو جیل میں کلرک کا کام مل گیا تھا۔ اُنھیں کوئی زیادہ کام نہیں کرنا پڑتا تھا۔ کافی وقت مل جاتا تھا۔

پہلے سال وُہ بہت اُداس رہے۔ پھر انھیں کئی ساتھی مل گئے۔ ان میں ایک بنگالی نوجوان سُدھیر بھی تھا۔ سُدھیر کو کالج میں ہی ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی، اس کا نام تھا گائتری! گورے چٹے رنگ کی یہ لڑکی فنِ رقص و موسیقی کی ماہر تھی، اس کی آواز کوئل جیسی تھی۔ دونوں ایک دن گھر بار چھوڑ کر بھاگ نکلے، کیونکہ ان کے ماتا پیتا اُن کی محبت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ دونوں دلّی میں آئے۔ یہاں انھوں نے سول میرج کے لئے عدالت میں درخواست گذاری۔ لیکن تیسرے دِن ہی سُدھیر کو پولیس نے گائتری کے پتا کی رپورٹ پر گرفتار کر لیا۔ کہاں یہ حالت تھی، کہ گائتری سُدھیر پر جان چھڑکتی تھی۔ اور کہاں یہ کہ اس نے عدالت میں اُس کے خلاف بیان دے دیا۔ اس نے کہا:

"سدھیر مجھے قتل کی دھمکی دے کر گھر سے بھگا لایا تھا، اور اب مجھے فروخت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں اس کی شکل تک دیکھنا نہیں چاہتی اور اپنے پتا جی کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔"

سُدھیر کو تین سال قیدِ سخت کی سزا کا حکم مل گیا۔ چھ مہینے سے وُہ اسی جیل میں زندگی بسر کر رہا ہے۔

سُدھیر ایک تعلیم یافتہ اور خوش اخلاق نوجوان ہے۔ بی اے پاس کر کے وُہ ایم اے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ یہ مصیبت آ گئی۔ وہ ایک شاعر اور افسانہ نگار بھی تھا۔ اُس نے ایک دن رمیش بابو کو اپنی کہانی سُنائی۔ اس کی آنکھوں میں

آنسو آگئے۔ کہنے لگا۔

" رمیش بھیا! عورت ہمیشہ مرد کو دھوکا دیتی ہے۔ میں نے گائتری پر یقین کیا تھا، یہی میری غلطی تھی، میں اُسے بھگانا نہیں چاہتا تھا۔ وہی مجھے مجبور کرتی رہتی تھی۔ ایک دن وہ سوٹ کیس اُٹھائے ہوئے آگئی۔ تو میرے لئے اور کوئی راستہ ہی نہیں رہ گیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اس کے پتا جی نے رات کو اُسے بُری طرح پیٹا ہے۔ اب وہ واپس گئی، تو وہ اُسے جان سے مار ڈالیں گے۔ میں نے اُسے بہت سمجھایا، لیکن وہ نہیں مانی ــــ کہنے لگی۔ اگر تم بھی مجھے نا اُمید کرنا چاہتے ہو تو میں دریا میں کود کر خودکشی کر لوں گی۔"

سدھیر کہنے لگا۔

"اب تم ہی بتاؤ، کہ میں کیا کرتا؟ گائتری کو مایوس کرتا تو یہ دھوکا ہوتا اس لئے میں اُسے اپنے ساتھ لے آیا۔ مجھے کیا خبر تھی، کہ وہ بدل جائے گی۔ وہ دھوکا دے کر ــــ اعتمادشکنی کر کے بھی بچ گئی۔ اور مجھے بے قصور ہونے پر بھی جیل میں ڈال دیا گیا۔"

سدھیر سچ ہی کہہ رہا ہوگا۔ جھوٹ بولنے کی اُسے کوئی ضرورت نہیں تھی۔ گائتری کو عدالت میں جھوٹ بولتے دیکھ کر اُسے صدمہ پہنچا تھا۔ وہ چاہتا تو اُس کے محبّت نامے پیش کر کے اُسے جھٹلا دیتا۔ لیکن وہ خاموش رہا۔ اُس نے صفائی بھی پیش نہیں کی تھی۔

پھر ایک دن کہنے لگا۔ "رمیش بابو! بہن کا خط آیا ہے۔ دھوکے باز گائتری کی شادی ہو رہی تھی کہ ایک رات پیشتر وہ بھاگ گئی۔ اب وہ پڑوس کے ایک نوجوان کے ساتھ بھاگی ہے۔"

رمیش بابو خاموش رہے۔

سُدھیر نے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ اس نوجوان کو بھی دھوکا دے گی جس نے مجھے دھوکا دیا ہے وہ کسی دوسرے کی بھی ہو کر نہیں رہ سکتی۔"

پھر کہنے لگا۔

"جیل سے رہا ہو کر مجھے موقعہ ملا تو میں انتقام لے کر رہوں گا۔"

"نہیں! ایسا نہ کرنا سُدھیر!" رمیش بابو نے کہا۔ "ایک عورت کے مقابلے میں آنا مرد کو زیبا نہیں دیتا۔ تم مرد ہو کر آزاد ہو، وہ عورت ہونے کی وجہ سے بے سہارا ہے ـــــ مجبور تھی، دباؤ میں آگئی۔ اُسے معاف کر دینا چاہیئے۔"

رمیش بابو نے مشورہ دیا۔

"معاف!" سُدھیر نے جھنجھلا کر کہا۔ "میں اُسے معاف نہیں کر سکتا جس نے مجھے دھوکا دیا، جس نے مجھے اپنی خود غرضی کے لئے جیل بھجوا کر میری زندگی تباہ کر دی۔ میں اُسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

ایک دن رمیش بابو سُدھیر کو رنتا کا ایک خط سُنا رہے تھے۔ سدھیر خاموشی سے سُنتا رہا۔ پھر ایک گہرا سانس لینے کے بعد رمیش بابو نے کہا۔

"مجھے خوابوں پر یقین نہیں، لیکن نہ جانے کیوں، کبھی کبھی خواب پورے بھی ہو جاتے ہیں۔"

سُدھیر نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"مجھے بھی یقین نہیں آتا۔ میرے کتنے ہی سپنے جھوٹے نکلے۔ مثلاً جب میں گرفتار ہوا، اُس رات مجھے گائتری سپنوں میں دکھائی دی تھی۔ ایسا جان پڑتا تھا، جیسے وہ ابھی ابھی غسل کر کے غسل خانہ سے باہر نکلی ہو۔ اس کے بال بھیگے ہوئے تھے۔ مجھے وہ بہت اچھی لگی۔ میں نے اُسے پیار بھری

نظروں سے دیکھا، وہ میرے پاس آ گئی۔ وہ آہستہ آہستہ کہنے لگی ——
"سُدھیر! یہ نہ سمجھو کہ تمھاری گرفتاری سے مجھے کوئی پریشانی نہیں ——
تمھارے لئے میرا دل رو رہا ہے۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ ضمانت پر رہا ہونا
نہیں چاہتی۔ میں جیل میں رہوں گی، لیکن اپنے ماتا پتا کے پاس واپس
نہیں جاؤں گی"۔

رمیش نے سدھیر کی طرف غور سے دیکھا۔

وہ کہہ رہا تھا۔

"اُس رات خواب میں اُس نے کہا تھا، کہ میری جان چلی جائے، تو
بھی میں تمھارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی —— مر کر بھی تمھارے چرنوں کی
داسی ہی بنوں گی"۔

یہ کہہ کر سُدھیر نے اپنی جیب سے ایک فوٹو نکال کر دکھایا، اور پھر
کہنے لگا۔

"دیکھ تو سہی دھوکے باز کو۔ کیا اس کی شکل دیکھ کر کوئی بھی
اندازہ لگا سکتا ہے، کہ یہ لڑکی چالاک اور دھوکے باز ہو سکتی ہے"؟

رمیش خاموش رہا۔

تصویر میں سُدھیر اور گائتری ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے کھڑے
تھے۔ گائتری سچ مچ ایک حسین اور معصوم لڑکی دکھائی دیتی تھی۔

سُدھیر کہنے لگا۔

"یہ فوٹو آج ہی جیل کے منشی سے درخواست کرکے منگوایا ہے
اسے دیکھ دیکھ کر میں اپنے غصّہ اور انتقام کی آگ کو بھڑکتی رکھنے کی
کوشش کرتا ہوں۔ سوچتا ہوں، کہ کہیں انتقام لینے کا جذبہ ختم ہی

نہ ہو جائے ۔"

رمیش پھر بھی خاموش رہا۔

سدھیر کہتا گیا۔

" خوابوں کی دنیا کبھی سچی نہیں ہوتی ۔ اُس رات میں کس قدر مسرور تھا۔ تیسرے یا چوتھے دن جب مجھے عدالت میں پیش کیا گیا تو اس نے ڈٹ کر میرے خلاف بیان دیا ۔ میں دھک سے رہ گیا ۔ اس سے آنکھ ملانے کی کوشش کی ۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا ، کہ میں اُسے دکھائی ہی نہیں دے رہا، اُسے میرا کوئی لحاظ ہی نہیں تھا ۔"

پھر کہنے لگا ۔

" رمیش بابو ! اب مجھے کسی عورت پر یقین نہیں رہا ۔ میرا خیال ہے کہ پرماتما نے عورت کو پیدا ہی اِس لئے کیا ہے کہ وہ مرد کو دھوکا دے ۔ جب سے دُنیا وجُود میں آئی ہے عورت مرد کو تگنی کے ناچ نچاتی آئی ہے ۔ دھوکا دیتی آئی ہے ۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ گائتری سے بدلہ لے کر اپنے دل کی بھڑاس نکالوں گا ۔"

رمیش نے مسکرا کر کہا ۔

" بدلہ لینا بہادری نہیں ۔ جواں مرد وُہی ہوتے ہیں جو دوسروں کو معاف کر دیتے ہیں ۔"

سدھیر نے سنجیدہ لہجے میں کہا ۔

" یہ بہادری نہیں ، بُزدلی ہے ۔ جانتے ہو ، آج صبح ایک نوجوان کو اپنی محبوبہ کی وجہ سے پھانسی پر لٹکنا پڑا ہے ۔"

رمیش کو کچھ معلوم نہیں تھا ۔

سدھیر نے بتایا کہ پھانسی پانے والا نوجوان ایک معمولی رکشا چلانے والا تھا۔ دلّی میں جمنا کنارے کی بستی میں اپنے جیسے ایک غریب گھرانے کی لڑکی سے اُسے محبّت ہو گئی۔ لڑکی کی ماں چاہتی تھی، کہ دونوں کی شادی ہو جائے۔ لیکن باپ اس کے خلاف تھا۔ رکشا والا جو کچھ کماتا، اپنی محبوبہ کے حوالے کر دیتا۔ اس کی ماں کی منظوری سے وہ اُسے آگرہ لے گیا۔ وہاں دونوں پکڑے گئے — لڑکی نے پہلے تو پولیس میں اپنے عاشق کے حق میں بیان دیا۔ لیکن دلّی آتے ہی اُس کے خلاف ہو گئی۔ عدالت میں کہہ دیا کہ یہ مجھے قتل کی دھمکی دے کر بھگا کر لے گیا تھا۔ بے چارے کو سزا ہو گئی۔ رہا ہوا تو اُسے چڑانے کے لئے وہی لڑکی اپنے نئے عاشق کے ساتھ اس کے سامنے سے گزری۔ وہ برداشت نہ کر سکا۔ لڑائی ہو گئی اور اس لڑکی کا نیا عاشق مارا گیا۔ یہ نوجوان پکڑا گیا۔ آج ہی علی الصبح اُسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

رمیش نے کہا۔ "اِسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ بدلہ لینے کا جذبہ ٹھیک نہیں۔ مایوسی و نا اُمیدی کی وجہ سے کسی پر ہاتھ اُٹھانا اپنے لئے ایک نئی مصیبت مول لینا ہے"۔

سدھیر چند لمحے خاموش رہا۔

پھر کہنے لگا۔

"اگر آپ کی محبوبہ آپ کو دھوکا دے کر کسی دُوسرے سے محبّت کی پینگیں بڑھا لے تو ......؟"

رمیش بابو کو یہ بات اچھی نہیں لگی۔

وہ جھنجلا اُٹھے۔

اُن کی محبوبہ اُنھیں کبھی دھوکا نہیں دے سکتی۔"

اُن کے لئے تو وہ آسمان کے تارے گِن رہی ہے۔
وہ کیسے اُنھیں دھوکا دے سکتی ہے؟
کیسے اُنہیں چھوڑ کر کسی دوسرے سے محبّت کر سکتی ہے؟
خود پر قابو پا کر رمیش بابو نے کہا۔
"وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ اور پھر میں ایسی محبّت پر یقین نہیں رکھتا جس میں دوسرے سے کچھ پا لینے کی خواہش ہو۔ محبّت بالکل بے غرض ہوتی ہے۔ محبّت کے معنے شادی بھی نہیں، شادی کے بغیر بھی محبّت کی جا سکتی ہے!"
سدھیر ہنس پڑا۔ کہنے لگا۔
"اگر آپ کی محبوبہ کسی دوسرے سے شادی کرلے، تو کیا آپ کو دُکھ نہیں ہوگا؟"
رمیش بابو نے جھٹ سے کہہ دیا "نہیں! —— مجھے دُکھ نہیں ہوگا —— شادی کسی پر ٹھونسی نہیں جا سکتی۔"
سدھیر پھر مسکرا دیا۔
کہنے لگا۔
"رمیش بابو! آپ دیوتاؤں کی طرح سوچتے ہیں۔ لیکن میں دیوتا نہیں ہوں، میں تو ایک معمولی انسان ہوں۔ میرے دل میں جو آگ سُلگ رہی ہے، وہ اسی حالت میں ٹھنڈی ہوگی، جب میں گائتری سے بدلہ لے لوں گا۔!"
دن پھر گذرنے لگے۔
سدھیر کی رہائی کا دن آگیا۔
ایک دن پہلے دونوں کی ملاقات ہوئی۔ اب بھی اس کے خیالات میں

کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اُب بھی وہ بدلہ لینے کی بات کر رہا تھا۔

رمیش بابو اُسے بہت دیر تک سمجھاتے رہے۔ سدھیر جذبات کی رَو میں بہہ رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

اُسی دن رمیش بابو کو رتنا کا خط ملا۔ غالبؔ کی غزل نقل کر کے اس نے لکھا تھا:

"محبّت کرنے والوں کی یہی حالت ہوتی ہے۔ جب سے دُنیا وجود میں آئی ہے چاہنے والوں سے ناانصافی ہوتی رہی ہے۔ میں کبھی کبھی سوچتی ہوں رمیش بابو! کہ پرماتما نے مجھے، اور عورت کو "دل" نام کی چیز کیوں دی ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے، کہ محبّت کرنے والے تا عمر آنسو بہاتے اور تڑپتے ہی رہیں؟

جب چاند چمکتا ہے
آکاش میں
کرنوں میں بسیرا ہوتا ہے
میں چھپکے چھپکے روتی ہوں
جب سارا عالم سوتا ہے۔

رمیش بابو! اپنے دل کو سنبھالنے کی بہت کوشش کرتی ہوں۔ لیکن کوئی بس نہیں چلتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے ایک خوفناک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اور میری زندگی کی سنسان سی کشتی اس میں کسی وقت بھی ڈوب جائے گی۔

پتاجی یہاں سے چلے گئے ہیں۔ وہ کہتے تھے، کہ میں بھی اُن کے ساتھ چلوں، لیکن آپ کو چھوڑ کر میں کہاں جا سکتی ہوں میرے راجہ! ساری

زندگی ایک طرف اور آپ ایک طرف! ساری دُنیا کی دولت مل جائے تو بھی آپ کو بھول نہیں سکتی۔ دُنیا کی کوئی طاقت ہم دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کر سکتی۔

میرے دل کی دھڑکنیں، میری مسکراہٹ اور میری زندگی صرف آپ کے لئے ہے ـــــ میرے دیوتا! آپ کی پُجارن دن رات آپ کی پرستش کرتی رہتی ہے ـــ!!"

رمیش بابو خط پڑھ کر مسرّت سے جُھوم جُھوم اُٹھے۔ قید و بند اور فراق کی گھڑیوں نے اُنھیں شاعر بنا دیا تھا۔ انھوں نے اپنی داستانِ محبّت پر ایک ناول لکھ ڈالا۔ پھر اُسے ایک ڈرامے کی شکل دی۔ جیل میں قیدیوں کے ڈرامہ مجلس نے اسے سٹیج کیا۔ جیل حکّام پہلے ہی رمیش سے خوش تھے۔ اُنھوں نے سرکار سے سفارش کرا کے ان کی قید میں ایک سال کی کمی کرا دی۔

قید کی لمبی گھڑیاں آہستہ آہستہ گھٹ رہی تھیں۔ ایک سال کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا ختم ہو گیا۔ اب ایک ہفتہ باقی رہ گیا تھا۔ رتنا نے اُس دن اُنھیں مٹھائی کا ایک بکس بھیجا تھا۔

اور اپنے خط میں اس نے لکھا تھا:

"میرے دیوتا!

آرام و سکون کے لمحے نزدیک آ رہے ہیں لیکن مجھے نہ دن کو چین آتا ہے نہ رات کو نیند آتی ہے۔ کتنی نازک چیز ہے یہ دل ـــ؟ ہزار مرتبہ سمجھایا، سمجھتا ہی نہیں۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کی حالت بھی ایسی ہی ہو گی۔ اب ایک ہفتہ ہی تو رہ گیا ہے پھر

آپ ہوں گے اور میں ـــــ ہم میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔

میں اپنی موسیقی کے ساتھ امرت سر جا رہی ہوں۔ اُس دن یقیناً واپس آجاؤں گی۔ آپ ہرگز فکر نہ کریں۔ میرا رُواں رُواں آپ کے لئے بے قرار ہو رہا ہے"۔

رمیش بابو شاعروں کی مانند سوچنے لگے۔ ان کی نگاہوں میں ایک گوری چٹّی سنگ مرمر کی مورتی رقص کرنے لگی۔ وہ ستار لئے سحر انگیز موسیقی کا الاپ کرنے لگی۔ تاج محل کے باغ میں کدم کے پیڑ کی چھاؤں میں، پورنما کی رات میں، تاروں بھری دودھ سی چاندنی چٹک رہی تھی۔ رمیش بابو کو ایسا محسوس ہوا گویا وہ رتنا کی گود میں سر رکھ کر سو گئے ہوں۔

چونکے تو سوچنے لگے کہ وہ ماں اور اوشا کے سامنے رتنا سے کیسے باتیں کر سکیں گے؟ ـــــ اپنے دلی جذبات کا اظہار کیونکر اس کے سامنے کر سکیں گے سات سال کی جدائی کا دُکھ برداشت کرتے کرتے وہ کس قدر دُبلی پتلی ہو گئی ہوگی۔ اُس نے ان دنوں کتنی مصیبتیں اُٹھائی ہیں۔ عورت ہوتے ہوئے بھی اُس نے کس قدر ہمّت سے کام لیا ہے؟

جیل سے رہا ہونے سے پہلی رات انھیں نیند نہیں آئی۔ صبح ہی چارپائی سے اُٹھ کر نہا دھو کر رتنا کو یاد کرنے لگے۔ چھ سال میں رتنا نے اُنھیں جو خط لکھے انھیں بڑی احتیاط سے سنبھال کر رکھا ہوا تھا انھوں نے ـــــ ان خطوط کو انھوں نے کتنی بار پڑھا تھا۔ قید خانہ میں یہی خط تو انھیں دلاسہ دیتے تھے، یہی خط تو اُن کے لئے ایک سہارا تھے۔

انھوں نے ایک بار پھر وہ خط پڑھ ڈالے ـــــ رتنا کی تصویر اُن کی نگاہوں میں گھومنے لگ گئی۔

دو گھنٹے بعد جب وہ جیل سے باہر نکلے تو اُن کی ماں دُور و نزدیک کے رشتہ دار، دوست اور گیرج اور دکان کے ملازم پھولوں کے ہار لئے ان کا استقبال کرنے کے لئے کھڑے تھے۔ بیٹے نے ماں کے قدم پکڑ لئے۔ ماں نے بیٹے کو چھاتی سے لگا لیا۔ مسرت سے دونوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دوست اور رشتہ دار بھی بڑے گرم جوشی سے ملے۔

رمیش بابو کو ہاروں سے لاد دیا گیا۔

استقبال کرنے والوں کی بھیڑ میں نہ تو کہیں رتنا دکھائی دی اور نہ ہی اُوشا! ماں نے کہا۔

"بیٹا! جلدی کرو۔ گاڑی تیار ہے"

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بھی اس کی نگاہیں چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔ اچانک انھوں نے دیکھا سُدھیر کو! پولیس کا ایک سپاہی اُسے ہتھکڑی لگائے جیل کے صدر دروازے کی طرف لا رہا تھا۔ آنکھیں چار ہوئیں۔ سُدھیر نے چلا کر کہا۔

"میں نے بدلہ لے لیا ہے رمیش بابو!"

تین چار سال پہلے وہ اِسی جیل سے رہا ہوا تھا۔

اس نے ایک بار کہا تھا کہ میں گاسُتری سے انتقام لے کر رہوں گا۔

دیوانے نے اپنا عہد پورا کر لیا۔

رمیش بابو اس سے بات چیت کرنا چاہتے تھے، لیکن وقت نہیں ملا ——

ڈرائیور نے گاڑی چلا دی۔

گھر پہنچ کر انھوں نے ماں سے پوچھا۔

"رتنا دکھائی نہیں دی، اور اُوشا کہاں گئی؟"

ماں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"اوشا کو مالک نے کام سے چھٹی نہیں دی، اور رتنا شاید ابھی امرت سر سے نہیں آئی ہے"

"تم نے اس کا پتہ بھی نہیں کیا" رمیش بابو نے جھنجلا کر کہا" وہ کیا کہے گی؟ —— اگر وہ آ گئی ہوگی، تو اُسے دُکھ ہوگا، کہ تم نے اسے اطلاع بھی نہیں دی۔!"

ماں نے اسی طرح سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"آرام کر لو۔ پھر میں خود ہی اُسے دیکھنے جاؤں گی —— میرا خیال ہے وہ ابھی ایک ہفتہ نہیں لوٹے گی۔ اُس کی مُوسی کو تو تم جانتے ہی ہو"

رمیش جھنجلا کر بلند آواز میں کہنے لگا۔

"یہ بہت بُرا ہوا ہے ماں! — میں ابھی خود جاتا ہوں۔ وہ بے چاری چھ سال سے میرے لئے پریشان ہے اور میں .... ؟"

وہ بھاگنے لگا۔

ماں نے چلّا کر کہا۔

"رمیش ٹھہر جاؤ! ضد نہ کرو"

لیکن وہ کہاں رُکنے والا تھا۔ تیزی سے سیڑھیوں سے اُترا۔ اور بھاگ کر کار ڈرائیو کرنے لگا۔

ماں پریشان ہو کر ڈرائیور کو بلانے لگی۔ وہ کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ تیزی سے نیچے اُتری تو اُسے اوشا مل گئی۔ اوشا کو اپنے ساتھ لے کر وہ ٹیکسی کا انتظار کرنے لگی۔

رتنا جس پتے سے اُسے خط لکھتی تھی۔ رمیش اُسی طرف گاڑی دوڑا رہا

تھا۔ کچھ دیر بعد گاڑی ایک کوٹھی کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

یہ ایک بڑی سی کوٹھی تھی۔

اس کے باغیچے میں ایک مالی پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ دو تین چھوٹے چھوٹے بچے کھیل کود رہے تھے۔

رمیش بابو نے ایک بچے کو اشارہ کر کے اپنے پاس بلا کر پوچھا "کیوں بیٹا! یہ رتنا جی کا مکان ہے؟"

"جی ہاں!" اس نے توتلی زبان میں کہا۔

"کہاں ہیں وہ؟" انھوں نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"اندر ہیں ـــ ڈیڈی کے ساتھ!"

وہ تیزی سے کوٹھی کے اندر جانے لگا۔ برآمدے میں ایک نوکر نے اُسے روک کر کہا۔

"آپ کون ہیں؟ کس سے ملنا چاہتے ہیں؟"

"تم کون ہو پوچھنے والے؟" رمیش بابو نے غصہ میں آ کر کہا۔

"میں یہاں کا نوکر ہوں" اس نے جواب دیا۔ "پروفیسر صاحب کا حکم ہے کہ بغیر نام بتائے اور اجازت لیے کسی کو اندر آنے نہ دیا جائے۔"

"کہیں مجھ سے غلطی تو نہیں ہو گئی؟" رمیش نے دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہا "میں کسی دوسری جگہ تو نہیں آ گیا؟"

انھوں نے نوکر سے پوچھا

"کیا یہ رتنا جی کی رہائش گاہ نہیں ہے؟"

"جی ہاں، وہ یہیں رہتی ہیں!"

"اور یہ پروفیسر صاحب؟" رمیش بابو نے اور بھی حیران ہو کر پوچھا۔

"اُن کے خاوند ہیں!" نوکر نے جواب دیا۔ "آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں؟"
"مجھ سے شاید غلطی ہو گئی ہے" رمیش بابو نے کہا۔ "نام پتا جلتا ہے اچھا، تم بتا سکتے ہو، کہ اُن کماری رتنا کی کوٹھی کہاں ہے جو چھ سات سال پیشتر سُندر نگر میں رہتی تھیں۔ شاید ان کی کوٹھی بھی یہیں کہیں ہے"

نوکر نے کہا — "صاحب! آپ پاگل تو نہیں ہو گئے ہیں؟ — یہ اُنہی کی کوٹھی ہے"

رمیش کا دماغ چکرانے لگا۔

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا، کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

نوکر اور رمیش کی باتیں سُن کر ایک عورت نے اندر سے آواز دی

"شمبھو! حلوہ لانے میں دیر کیوں کر رہے ہو؟"

رمیش بابو نوکر سے کچھ کہنا چاہتے تھے، کہ نوکر نے بلند آواز میں کہا ——

"بی بی جی! ایک بابو آئے ہیں، آپ سے ملنا چاہتے ہیں"

"کون ہیں؟" کہتی ہوئی ایک عورت برآمدے سے ہو کر اندر جانے والے راستے کے آخری کمرے سے نکلی۔

رمیش بابو کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

یہ رتنا ہی تو تھی۔

ایک شادی شُدہ عورت کے رُوپ میں!

اس کا جسم پھُول گیا تھا۔

اس نے دھانی رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔

بال کٹے ہوئے

پیشانی پر لال بندی اور مانگ میں افشاں کی لکیر لگی ہوئی تھی۔

رمیش کے پاؤں کانپنے لگے۔

دوسرے ہی لمحے اس نے دیکھا ایک مرد کو!

وہ وہی پروفیسر تھا جس سے ایک بار پہلے بھی رتنا نے محبّت کی پینگیں بڑھائی تھیں۔

رمیش بھاری قدم اُٹھاتے ہوئے پیچھے ہٹا اور مُڑ کر کہنے لگا: "ان سے کہہ دو کہ میں اُن سے ملنا نہیں چاہتا۔"

رتنا خود ہی لوٹ گئی تھی اُسے دیکھ کر، پروفیسر صاحب کو آواز دے کر اس نے کہا تھا،

"دھکّے دے کر باہر نکال دو ——— یہ قاتل رمیش ہے ——— بدمعاش کہیں کا!"

رمیش تیزی سے لوٹ آیا۔ اس کی سمجھ میں یہ سب گورکھ دھندا نہیں آرہا تھا ——— کوٹھی سے باہر نکلا، تو ماں اور اوشا ٹیکسی سے باہر نکل کر اس کی جانب بڑھتی ہوئی دکھائی دیں۔

رمیش نے انھیں دیکھ کر کہا۔" دھوکا! ——— سراسر فریب!! ایک ہفتہ بھی انتظار نہیں کرسکی۔"

ماں نے کہا

"بیٹا! ایک ہفتے کی بات نہیں، رتنا نے چھ سال پہلے ہی شادی کرلی تھی۔ تمہارے جیل جانے سے دوسرے دن ہی اس کی بارات آگئی تھی۔"

رمیش بابو پاگلوں کی طرح ماں کی طرف دیکھنے لگے۔

ماں نے کہا" بیٹا! ——— وہ تو اُسی دن پرائی ہوگئی ——— اب تین بچوں کی ماں ہے۔"

"تو.... تو.... مجھے تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔" رمیش بابو نے کہا۔
"میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

ماں نے اسے زبردستی کار میں بٹھایا۔

رمیش کا ڈرائیور جو ٹیکسی پہ آیا تھا گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔

رمیش پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا، اُس کے ایک طرف ماں بیٹھی تھی، اور دُوسری طرف اُوشا۔

"ماں! میں اُس سے بدلہ لے کر رہوں گا۔" رمیش نے روتے ہوئے کہا۔
"رتنا نے مجھ سے دھوکا کیا ہے۔ اگر اسی طرح اپنا مُنہ کالا کرنا تھا تو مجھے جیل میں لمبے لمبے محبّت نامے کیوں لکھتی رہی؟ تم نے بھی بتا اتنے دنوں سے مجھے اندھیرے میں رکھا۔"

ماں نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا

"بیٹا! تم اسے ہماری بھول سمجھو، یا دھوکا! رتنا نے کبھی تمہیں کوئی خط نہیں لکھا۔ وہ سنگدل تمہیں خط کیوں لکھتی؟"

"تو پھر اتنے خط مجھے کیسے ملے؟"

"یہ خط اُوشا لکھتی رہی۔" ماں نے سنجیدہ لہجہ میں کہا۔ "بے چاری نے تمہارے لئے عدالت میں جھوٹا بیان دے کر بدنامی مول لی۔ اور چھ سال تک رتنا کے نام سے تمہیں چٹھیاں لکھتی رہی۔ تاکہ تم جیل میں رتنا کے دھوکے اور فریب کی وجہ سے مایوس ہو کر اپنی زندگی کو دُکھی نہ بناؤ۔"

رمیش بابو نے اوشا کی طرف دیکھ کر کہا

"کیا یہ سب کچھ سچ ہے؟"

اوشا شرمندہ سی ہو رہی تھی۔ سر جھکا کر کہنے لگی۔ "اگر یہ غلطی ہے تو اِس

غلطی کی سزا مجھے ملنی چاہیئے۔"

رمیش کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔

اس کا دماغ چکرا رہا تھا۔

کار مکان کے سامنے آ کر رُکی۔ پہلے رمیش کی ماں باہر نکلی۔ پھر رمیش۔ اُوشا سر جھکائے بیٹھی رہی۔

رمیش کی ماں نے کہا۔ "اوشا بیٹی! باہر آؤ۔"

وہ قدرے ہچکچائی۔ پھر باہر نکلنے لگی۔ اس کا پاؤں یکایک پھسلا، اور وُہ گرنے لگی تھی، کہ رمیش نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے تھام لیا۔

جب وُہ سنبھلی، تو اس کا سر رمیش کے سینے سے لگا ہوا تھا۔ وُہ شرما کر الگ ہونے لگی، تو ماں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بیٹی! تم نے بدنامی مول لے کر میرے بیٹے کو مایوسی کی گھڑیوں میں سہارا دیا ہے۔ اَب رمیش کا سہارا لینے میں تمھیں ہچکچانا نہیں چاہیئے۔"

رمیش اور اوشا دونوں ماں کی باتوں کا مطلب سمجھ گئے تھے۔

سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے رمیش نے پھر اوشا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس بار اوشا نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ رمیش کا سہارا لے کر سیڑھیوں کے اُوپر چڑھتی گئی۔

بیٹھک میں داخل ہو کر رمیش نے ماں سے کہا۔

"مجھے کبھی اس بات کا خیال بھی نہیں آیا تھا، کہ یہ دُبلی پتلی سی لڑکی تمھاری بہو بنے گی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ پرماتما نے اِسے اسی گھر کے لئے پیدا کیا تھا۔"

ماں نے مسکرا کر لاجونتی کے پھولوں کی مانند سکڑتی، شرماتی اُوشا کو اپنے

سینے سے لگا لیا۔ اور پیار کر کے کہنے لگیں۔

"رمیش! تم نے رنگ دیکھا اور دھوکا! میں نے انسانیت دیکھی اور بے غرض محبّت!! میری جیت ہوئی۔ میں تو اسے بتائے بغیر بہت عرصہ پہلے فیصلہ کر چکی تھی کہ اوشا کے علاوہ اِس گھر کی مالکن اور کوئی نہیں بن سکتی!"

یہ کہہ کر ماں نے اُوشا کو پھر سینے سے لگا لیا اور پیار کرنے لگی۔

اوشا کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ اس نے پہلے ماں کے پاؤں کو چھُوا اور پھر جھک کر رمیش بابو کے پاؤں پکڑ لئے۔

دو دلوں کا کتنا پوتر ملن تھا یہ —— !!

ختم شُد

اچھّے مصنفوں کی اچھی کتابیں

بھوانی جنکشن

گورے جسم اور کالے کارنامے ـــ ظالم اور مظلوم کی دردناک اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی داستان۔ عشق و محبت اور فرض و قربانی، حب الوطنی اور قوم پرستی کی زندہ جاوید کہانی آپ کے محبوب فنکار جمنا داس اختر کی تصنیف قیمت تین روپے۔

کشمیر کی بیٹی

جمنا داس اختر کا بہترین ناول۔ اس کتاب میں کشمیر کے محاذ پر دشمن کے مورچوں کے پیچھے ایک ہندوستانی افسر اور کشمیر کی ایک دوشیزہ کی گوریلا جنگ، دشمن کی چوکیوں پر حملے اور قبائلیوں سے مڈبھیڑ کے سنسنی خیز واقعات پیش کیے گئے ہیں۔ اس میں ۱۹۴۷ء کے خونیں واقعات کا ذکر بھی ہے اور کشمیر کی جنگ کے احوال بھی درج ہیں۔ اور اس کے ساتھ دو دلوں کی سچّی محبت و بے قراری و بے تابی کی منظر کشی بھی کی گئی ہے۔ قیمت دو روپے پچاس نئے پیسے۔

پتھّر کے ہونٹ

"میری زندگی کے امڈتے طوفان میں کوئی روک لگا دے۔ یا میری زندگی کے دھارے پر کوئی ایسا بند باندھ دے جس کے نتیجہ کے طور پر میری زندگی کی ہر سانس سماج اور دنیا کے لئے مفید ثابت ہو اور آج جو سماج مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھ کر منہ پھیر لیتا ہے، مجھے اپنے وسیع سینے سے لگا سکے۔" یہ ایک طوائف کے وہ تاثرات ہیں جو اس ناول میں گلشن نندہ نے پیش کیے ہیں۔ قیمت ۳ روپے ۵۰ نئے پیسے

ایک ندی دو پاٹ

یہ کہانی ہے ایک شوہر اور اس کی دو بیویوں کی — ایک ندی اور اس کے دو کناروں کی، — وطن کی محبت اور قومی جذبات سے بھرپور ایک بے حد حسین، رومانی اور دلچسپ تخلیق۔ جناب گلشن نندہ کی مایہ ناز پیش کش۔ قیمت چار روپے۔

جیسے کو تیسا

ایک عیاش نواب کی داستانِ حیات۔ جس نے اپنا سب کچھ برباد کر دینے کے بعد خودکشی کا ارادہ کر لیا تھا کہ اس کے ایک دوست نے اس کی دستگیری کی — اور اُسے اس کی ساری جائیداد واپس دلا کر اُسے پھر ایک بار دولتمندوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ اس عیاش نواب نے اپنے دوست کے احسان کا کیا بدلہ دیا اور اس کا انجام کیا ہوا؟ یہ معلوم کرنے کے لئے منشی تیرتھ رام فیروزپوری کی بہترین پیش کش "جیسے کو تیسا" پڑھئے۔ قیمت تین رُوپے۔

سنیاسی اور سُندری

ایک تارک الدنیا سنیاسی کی کہانی جو قدرت کی حسین ترین تخلیق کے پُرنور شباب کے زاہد فریب نظارہ کی تاب نہ لا سکا — جنّت کا لالچ اور حُسن کی کشش — خدا حُسن ہے اور حُسن خدا — گناہ اور ثواب کی ایک انوکھی اور نرالی تمثیل — ہندی کے ہونہار اور مقبول عام مصنّف یادویندر شرما "چندر" کا اردو ادب میں ایک گراں قدر عطیہ — ایک ایسا ناول جس کا ترجمہ ہندوستان کی تمام زبانوں میں ہو چکا ہے — اردو زبان میں منتقل کرنے والے جناب بسنت کما چیٹرجی

جرنلسٹ ہیں ـــ مطالعہ کر کے دیکھیئے کہ مصنّف اور مترجّم نے کس خوش اسلوبی کے ساتھ یہ گراں مایہ پیش کیا ہے. قیمت تین روپے۔

ملکاؤں کے رُومان

محبّت ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔ بھکاری سے لے کر بادشاہ تک کی گردنیں حُسن کے دربار میں پہنچ کر فرطِ احترام سے خم ہو جاتی ہیں۔ یہ کتاب دُنیا کی اُن بڑی بڑی عورتوں کے افسانہ ہائے محبّت کا مجمُوعہ ہے جن کا ذکر تاریخ میں موجُود ہے۔ ان داستانوں کو رنگین بنانے کے لئے مصنّف نے بعض جگہ تاریخی حقائق سے گریز کیا ہے۔ لیکن بلاشبہ راجہ مہدی علی خاں کا قلم صفحۂ قرطاس پر پھول بکھیرتا ہوا چلتا ہے۔ قیمت تین روپے ۲۵ نئے پیسے

بھیگی پلکیں

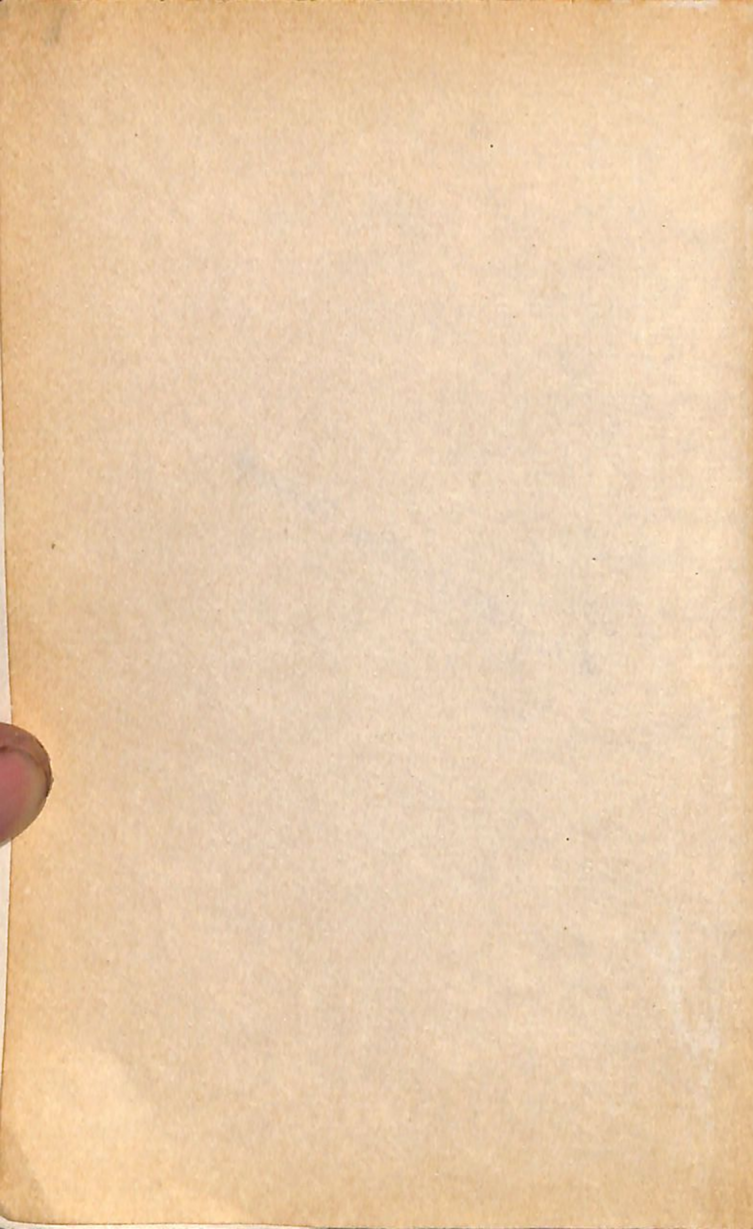
جناب مظفر ہاشمی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اُردُو داں طبقہ اُن سے کافی عرصہ پیشتر ہی روشناس ہو چکا ہے۔ حسن و عشق کی لازوال داستان بیان کر کے انھوں نے ایک الوکھا ناول پیش کیا ہے. قیمت ۳ روپے ۵۰ نئے پیسے۔

بلیک میلر

فلمی دنیا کی ایک سچّی داستان جسے جمنا داس اختر نے پیش کر کے یہ بتایا ہے کہ سینما بُری نہیں، بلکہ اُسے بیچنے کی بار بار کوششیں کی گئیں لیکن وہ بال بال بچی ایک حقیقت افروز ناول جو آپ کو فلمی دنیا کے ماحول سے روشناس کرائے گا قیمت ۳ روپے

نظمیں اور غزلیں

اس میں بیسویں صدی کے مقبول عام شعراء کے جدید اور بہترین نظموں اور غزلوں کا ایک خوبصورت مجموعہ کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ مرتّب کا رجحان یہ ہے کہ اس مجموعہ میں اُس کی ذاتی پسند کے علاوہ بیسویں صدی کے ان تمام شعراء کے کلام کا انتخاب کر کے شامل کیا جائے جو اس دَور کی بساطِ شاعری پر چھائے ہوئے ہیں۔ اِس نکتہ نظر سے اس مجموعہ کو اردو کے مقبول عام شعراء کا خصوصی نمائندہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ مرتبہ نورالنبی عبّاسی۔ بہترین کتابت و طباعت اور خوبصورت ٹائیٹل کے ساتھ ضخامت ۱۴۴ صفحات۔ قیمت ایک رُوپیہ



جنتا

پرانے دور کے ادیب، ور خبار نویس جہاں
تھک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ جمنا داس اختر نے
وہاں سے اپنا سفر شروع کیا۔ اور
روایات کے خلاف کھلم کھلا بغاوت
کرتا ہوا سماج کے بوسیدہ کھنڈروں کو ٹھکراتا ہوا۔ نئے دور کے نئے
ڈھانچوں کی تشکیل کے لئے آگے بڑھ گیا۔

راستہ ہموار نہ تھا۔ حالات ساز گار نہ تھے۔ لیکن ایک عزم تھا
اس جوان فکر فن کار کے دل میں۔ اور ایک ذہن میں آنے والے
حسین دور کے خاکے تھے۔ گو ان خاکوں میں رنگ بھرنا اتنا آسان تھا
لیکن سچائی اور حقیقت کے راستے کا راہگیر۔ جس نے اپنی ہر سانس ملک
اور قوم کی نذر کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ وہ راہگیر راستے کی دشواریوں
اور منزل پر پہنچنے کے خطروں کی پرواہ کب کریگا ——؟

کاش وہ دن جلد آئے —— اور جس کا دلکش خواب اختر کے
ذہن میں سانس لے رہا ہے۔ اور ایک آدرش وادی سپاہی بن کر
وہ سماج کی برائیاں دور کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

سول ایجنٹ:

پنجابی پستک بھنڈار دہلی۔ ۲